

میرے ہم زاد

عثمان غنی خان - پشاور

قسط نمبر: 07

کتنبی دیر گزر گئی، نائرہ ایسی ہی کھڑی تھی، اس کے ہاتھ میں پانی سے بھرا ہوا گلاس تھا۔ اچانک اس نے ہوٹل کے مین ڈور سے کسی کو آتے ہوئے دیکھا۔ یہ کوئی اور نہیں، اس کا ہم زاد تھا۔ جو اسی کے پاس چل کر آ رہا تھا۔ وہ لوگوں کے ٹیبلز کے بیچوں بیچ سے ہوتا ہوا، بالکل اس کے پاس آ گیا۔

کیا آپ کا ہم زاد بھی آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہے، ایسی کہانی جسے برسوں نہ بھلائیں گے

باہر نکالنے لگا، وہ باہر نکل آئی، اسے کوئی پوٹ نہیں لگی تھی۔ اریبا، اور لیبا ڈر کے مارے جیسے کانپ رہی تھی، کوئی ان کو باہر نکال رہا تھا۔ لیبا نے بڑی مشکل سے، سیدھا ہو کر، ہاتھ اس نووارد کو دیا۔ اسے بھی باہر نکال لیا۔ اریبا کچھ زیادہ اندر دھنسنے لگی تھی۔ اس کو چونیس پڑی تھیں۔ وہ حرکت بھی نہیں کر رہی تھی، ان انجان لوگوں نے اندر پہنچ کر، اریبا کو سیدھا کیا۔ اریبا نے بمشکل آنکھ کھولی۔ وہ بالکل بھی نہیں مل رہی تھی۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہو چکی تھی۔ اور اوپر سے اسے شدید پوٹ لگی تھی۔

☆.....☆.....☆

نازہ اس لمحے کھڑی تھی، جس لمحے گاڑی جاری تھی۔ اچانک اس کے ہم زاد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ نازہ چونک پڑی۔ وہ کافی زیادہ ڈری ہوئی تھی۔ وہ لوگ بچ چور ہے اسے چھوڑ کر جا رہے تھے۔ نازہ نے لب کھولنے کے لیے ہم زاد کی طرف دیکھا۔ اس کے پورے چہرے پر صرف حیرت دیکھی جا سکتی تھی۔

”اگر تمہارا کزن، پیچھے مڑ کر نہیں دیکھے۔۔۔! تم بے ہوش ہو جانا۔۔۔!“ اس کے ہم زاد کے لب

کئی گاڑیاں بیک وقت آگے پیچھے رک چکی تھیں، پیچھے آنے والی گاڑیاں اتنی تیزی سے نہیں آ رہی تھیں، اس لیے کافی بچت ہو گئی۔ کچھ سائیڈ سے ادھر ادھر ہو کر آگے نکل گئیں، کچھ آگے سائیڈ پر ہو کر رک گئیں۔ لوگ جلدی سے ایک سائیڈ سے الٹی گاڑی کی طرف بھاگ کر آ گئے۔ انھوں نے سائیڈ والے گیٹ کھولنے چاہے، مگر وہ لاک تھے۔ وہ کھل ہی نہیں رہے تھے۔ سب گاڑی میں الٹ چکے تھے۔ ریوٹ فرحت بیگم کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر چکا تھا۔ وہ بیٹیوں کے اوپر دھنسی پڑی تھی، اس نے ریوٹ کی تلاش میں نکالیں، ادھر ادھر دوڑائیں، اسے ریوٹ مل گیا۔ اس نے ریوٹ سے گاڑی کے سارے ڈور، ان لاک کیے۔ جیسے ہی باہر سے گاڑی کا دروازہ اس بار کسی نے کھولنے کی کوشش کی، کچھ لوگ سڑک کے مخالف سمت میں بھاگ کر جانے لگے، وہ گاڑیوں کو خبردار کرنا چاہتے تھے۔ گاڑیاں آہستہ چلائیں، آگے حادثہ پیش آ چکا ہے۔ اس بار دروازہ کھل گیا۔ فرحت بیگم اپنی بیٹیوں کے اوپر پڑی تھی۔ اس کے نیچے، اریبا، اور لیبا دھنسنے لگی تھیں۔ فرحت بیگم نے بہار کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب وہ اسے پہنچ کر

بلے۔ نازہ کے چہرے پر پہلے سے ہی زلزلے کے آثار تھے۔ وہ جانی ہوئی گاڑی کو دیکھ رہی تھی، وہ گاڑی جو کچھ لمحوں بعد مڑ رہی تھی۔ اور سڑک کے ساتھ چلی جاتی تھی۔ اس کی نظریں گاڑی پر لگی ہوئی تھیں۔ اچانک گاڑی کا شیشہ نیچے ہوا اور میمان نے سر نکال کر اس کی طرف دیکھا۔ نازہ اسی طرف حیرت زدہ لگا ہوں سے دیکھ رہی تھی۔

”گر کر بے ہوش ہو جاؤ۔۔۔ اگر یہ موقع نکل گیا۔۔۔ پھر کبھی یہ لمحہ نہیں آئے گا۔۔۔ کیا تم چاہتی ہو؟ یہ لوگ طے جائیں؟“ اس کا ہنر اوندھ اس کے کان کے پاس لاکر چیخا۔ نازہ لہرا کر گر گئی۔ اور تھی فرسٹ پر بے ہوش ہو گئی۔ وہ کتنی دیر تک پڑی رہی۔ مگر کوئی اس کے پاس نہیں آیا۔ کتنی دیر گزر گئی۔ اچانک اس نے ایک آنکھ ڈرائی کھول دی۔ اس کی نظر سڑک پر پڑی ہوئی تھی۔ وہ آنکھ کی درختی کھول چکی تھی۔ پیشکش اسے کچھ سڑک کا حصہ نظر آ رہا تھا۔ گاڑی وہاں سے جا چکی تھی۔ اس کا ہنر اوندھ اس کے بے ہوش ہوتے ہی چلا گیا تھا۔

”اوہ۔۔۔ میرے خدایا۔۔۔ میمان نے دیکھا، میں بے ہوش ہو گئی تھی۔۔۔ پھر کبھی وہ میرے پیچھے نہیں آیا۔۔۔ میں نے اس کو دکھایا تھا۔۔۔ میں مرجاؤں گی۔۔۔ اللہ ان سب کو عافیت کرے۔۔۔“ یہ میرے سگے ہو کر سوتیلوں سے بدتر بات ہوئے۔۔۔ میں اس چیز (میمان) سے امید باندھ چکی تھی۔۔۔ جو خود کھیل کی مانند تھی۔۔۔ ماں کے اشاروں پر چلتا ہے۔۔۔“ نازہ بالکل سیدھی ہو کر اٹھ گئی۔ اب وہ اسی جگہ بیٹھی ہوئی تھی۔ جہاں وہ بے ہوش ہو کر گر گئی۔ کاتھ کر رہی تھی۔ اس کا دل دو ماٹھ جیسے سناٹا تھا۔ وہ اپنے تھکے کے احساس سے پریشان ہو گئی تھی۔

”مجھے ایسا لگ رہا ہے۔۔۔“ جیسے یہ دنیا ایک دم سے میرے اوپر ٹپک کر دی گئی ہو۔۔۔ میں دنیا سے اٹھ کر جیسے خلا میں آ گئی ہوں۔۔۔“ جہاں مجھے

”ہو رہا ہے۔۔۔“ ”کیا مطلب؟“ میمان نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بہت غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”میمان۔۔۔! مجھے لگ رہا ہے۔۔۔! تم میرے ساتھ کچھ برا کرنے والے ہو؟ جب سے وہ ہوئی بابا اس گھر سے ہو کر گئے ہیں۔۔۔! مجھے کچھ بھی اچھا محسوس نہیں ہو رہا ہے۔۔۔! نازہ کے لہجے میں دوسرے بول رہے تھے۔

”نازہ۔۔۔! تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو۔۔۔! ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔۔۔! میمان نے اسے تسلی دینی چاہی۔ جو نازہ کو بالکل کھوکھلی لگی۔

”میمان۔۔۔! اگر وہ جوگی۔۔۔! اریہا کی جگہ میری طرف انگلی کرتا۔۔۔! اس کا اشارہ میری طرف ہوتا۔۔۔! تو آپ لوگ مجھے اس جوگی کے حوالے کر دیتے۔۔۔! اس کا جوگی چاہتا۔۔۔! رات بھر میرے ساتھ کر گزرتا۔۔۔! کوئی آف ٹیک نہیں کرتا۔۔۔! تم اریہا کے بھائی ہو۔۔۔! اس کے لیے آگے آئے۔۔۔! میرے لیے کون آتا؟“ نازہ ایک طرح سے جو کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ بالکل کسی تھا۔

”نازہ۔۔۔! میں نے اریہا کے بچاؤ میں جو کچھ کیا۔۔۔! اگر اریہا کی جگہ تم ہوتی۔۔۔! میں تمہارے لیے بھی اسٹینڈ لیتا۔۔۔! میمان اسے بتانے لگا۔ سمجھانے لگا۔ وہ نفی میں گردن ہلاتی رہی۔

”نہیں۔۔۔! باتیں دوسرے سب کر لیتے ہیں۔۔۔! پر ایسا قدم کوئی نہیں اٹھاتا ہے۔۔۔! مظلوم کو مظلومیت میں پس کر سب تماشا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔۔۔!“

”میں ایسا نہیں ہوں۔۔۔! جو کچھ کہتا ہوں۔۔۔! وہی کرتا ہوں۔۔۔! میمان اسے یقین دلانے لگا۔

”چلیں۔۔۔! ٹھیک ہے۔۔۔! اگر ایسا اٹھ آیا۔۔۔! تمہارے گھر والوں نے میرے ساتھ

کچھ برا کرنا چاہا۔۔۔! تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا۔۔۔! تم میرے لیے ڈھال بنو گے۔۔۔!“

نازہ اس سے یقین دہانی چاہ رہی تھی۔

”میں وعدہ کرتا ہوں۔۔۔! اگر تم کبھی برا دقت آیا۔۔۔! میں تمہارے لیے اسٹینڈ لوں گا۔۔۔! میمان نے اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تھا۔ جسے ناسو سے مجھے نازہ نے تمام لیا۔

”اب سکرانچی دو۔۔۔!“ خاموشی پر موشی نازہ سے کہا۔ وہ سکرانچی لگی۔ منہ بدل گیا۔

☆ ☆ ☆

نازہ جہاں تھی وہیں تھی۔ جہاں وہ لوگ اسے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ میمان کا خیال آتے ہی وہ اسی منظر میں اسی طرح مسکراتے گی تھی۔ وہ سوچتی میں مسکرا رہی تھی۔ اچانک اس کا ہنر اوندھ اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

”نازہ۔۔۔! تمہیں میں نے سمجھایا بھی تھا۔۔۔! زبان شیریں ملک گیریں۔۔۔! مگر تم نے زبان کے جوہر دکھائی دیے۔۔۔! دیکھو، تمہارے چند کڑوے بولوں نے تمہیں سڑک پر لاکر پھینک دیا ہے۔۔۔! تم پہلے تو سب سہ جانی تھی۔۔۔! مگر زبان سے آف ٹیک نہیں نکالتی تھی۔۔۔! اور اب تمہاری زبان درازی نے تمہیں یہ دن۔۔۔! اس کا ہنر اوندھ اس سے کہے جا رہا تھا۔

”بس کر دو۔۔۔! وہ بے حس لوگ، مجھ پر چاہے تشدد کر کر کے مجھے قبر میں اتار دیتے اور میں آف ٹیک نہ کرتی۔۔۔! بس چپ رہ کر بھی میں کوئی کمال تو دکھانے لگی۔۔۔! اس گھر کے گھنٹوں میں سے کسی ایک کا دل بھی جیت نہ سکی۔۔۔! کوئی میرا اپنا بن نہ سکا۔۔۔! اس لیے میرا چپ رہنا فضول تھا۔۔۔!“

حالانکہ میں نے تمہارے کہنے پر ان سب کو جھکانے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا؟ اور ان سب سے پہلے بچپن سے فرحت بیکم کے کتنے عظیم تم برداشت کیے۔ ماموں کی باتیں بھندے، کے بھنڈے، کالیاں، کیا کچھ سہ کر بھی

اچھا بننے کے بجائے بری رہی۔ اور اریہا اور لیبیا کی بے جا مارا، الگ کھاتی رہی۔ ان کے الزامات برداشت کرتی رہی ہوں۔ مگر میں بری تھی، بری ہوں اور ہمیشہ بری رہوں گی۔۔۔!! "نازہ جیسے چیخ کر اسے کہنے لگی۔ اس کا ہمزاد اس کی باتیں سن کر ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔

"اب تم ہی بتاؤ۔۔۔!! میں کہاں جاؤں؟ میں کہاں جاؤں گی؟" نازہ نے اس کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔ ہمزاد کی آنکھوں میں مسخر تھا۔ وہ اس کے قریب آیا، اس کے کان کے پاس جبکہ کر کچھ کہنا شروع کر دیا۔

"بہت بڑی دنیا ہے۔۔۔!! کہیں تاکیں کوئی نا کوئی پناہ گاہ تمہیں بھی مل جائے گی۔۔۔!! میں جانتی ہوں۔۔۔!! دنیا بہت بڑی جگہ ہے۔۔۔!! پر تم جانتی ہو۔۔۔!! دنیا میں ابھی تک کچھ اچھے لوگ موجود ہیں۔۔۔!! ابھی یہ دنیا قائم و دائم ہے۔۔۔!! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔!! "نازہ جو کچھ سنتی رہی۔ وہ جیسے دل ہی دل میں پرسکون ہوتی رہی۔ وہ اچھی اور مخالف سمت میں جانے لگی۔ اس کے ساتھ اس کا ہمزاد چل رہا تھا۔ اگر کوئی انسان اسے دیکھتا تو وہ بھی نہیں دیکھ پاتا۔ اس کے ہمزاد کو جو کچھ دیر قبل اس سے باتیں کر رہا تھا۔ اور اب اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ مگر کسی کی نظر میں نہیں آتا تھا۔ صرف اسے نظر آ رہا تھا۔ وہ اب پارکنگ سے نکل کر سڑک پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے سامنے سے کئی گاڑیاں گزر گئیں۔ اس نے کئی گاڑیوں کو ہاتھ دیا۔ مگر گاڑیاں زن کر کے آگے ہی بڑھتی رہیں۔ اچانک ایک گاڑی کے

نازہ، چہرے اور وہ کچھ آگے جا کر رک گئی۔ نازہ قدم قدم چلتی ہوئی اسی گاڑی کی سمت میں جانے لگی۔ جیسے ہی وہ گاڑی کے پاس پہنچ گئی۔ شیشہ ٹپچے ہوا ڈرائیونگ سیٹ پر ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ نازہ کی طرف اس نے سوالیہ انداز میں دیکھا۔ وہ عورت بھی حیران ہو رہی تھی۔ نازہ اس کے قریب پہنچ گئی۔

اریہا کا ہاتھ فریچر ہو چکا تھا۔ اسے بہت مشکوں سے نکال لیا گیا۔ گاڑی بدستور اپنی جگہ تھی، ایک دم اٹھنے سے میکان کے چہرے پر رگڑے نشان پڑ گئے تھے۔ عادل بالکل سہمی سالم گاڑی سے نکل آئے تھے۔ کرہڑوں کی گاڑی ایک دم بے کار ہو چکی تھی۔ لوگ اب قریبی کرین کو کال کر رہے تھے۔ ایسیوٹس بلائی جا چکی تھی۔ میکان ابھی تک گاڑی میں بیٹھنے ہوئے تھے۔ اس کی سائیز الٹ گئی تھی۔ شیشہ ٹوٹ کر چکنا چور ہو چکے تھے۔ میکان نے صبح نازہ سے جو اسٹینڈ لینے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ وفا کر تو دیا۔ میکان گاڑی میں سے آسانی سے نکل نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ آگے

گاڑی کا وکیل اسٹریٹنگ اور گیر و غیرہ ہونے کی وجہ سے، اس کے نکلنے میں مشکل پیدا کر رہے تھے۔ فرحت بیگم منہ میڑھا جانا کر کھڑی تھی، اس کا پرس، نکال کر اس کے حوالے کیا جا چکا تھا۔ وہ جیسے کسی گہرے صدمے کے سبب فوج زدہ لگ رہی تھی۔

"میکان! تم کھٹک تو ہوتا۔۔۔!!" عادل کی گھبراہٹی ہوئی آواز سنائی دی۔

☆.....☆.....☆

ڈیڑی مجھے نہیں پتہ۔۔۔!! میرے ہاتھ بچر چکے ہیں۔۔۔!! باقی میں بل بھی نہیں سکا ہوں۔۔۔!! "میکان نے آہستہ آواز میں کہا۔ لوگوں نے گاڑی کو سیدھا کرنا چاہا۔ مگر عادل نے منع کر دیا۔ وہ میکان کے حوالے سے فکر مند تھا۔ وہ کوئی بھی رسک لینے کو تیار نہیں تھا۔

"آپ لوگ فرحت شیشہ توڑ کر میرے بچے کو باہر نکالیں۔۔۔!! آپ لوگ گاڑی سیدھا کرنے والی کرین کو خون کر دیا۔۔۔!! وہ کچھ ہی دیر میں آتا ہوگا۔۔۔!! آپ حوصلہ رکھیں۔۔۔!! ایک انجینیئر شخص نے اس سے کہہ دیا۔

"اچھا!! آپ لوگ ایسیوٹس والوں سے کہہ دیں۔۔۔!! ان کو قریبی ہسپتال لے جائیں۔۔۔!! وہاں آکر ہمیں، دو بارہ لے جائیتے۔۔۔!!" عادل نے ایسیوٹس کی طرف دیکھا، وہاں قریب ہی ایسیوٹس کھڑی تھی، اریہا کو اسٹریچر پر لٹایا جا چکا تھا۔ اور فرحت بچر کو جیسے گہرا صدمہ لگا تھا، وہ ابھی تک اسی کے زیر اثر تھی۔ وہ یقین نہیں کر پاتی تھی، اس کا لخت جگر، ایک معمولی سی نوکرائی کے لئے، اس کی بات کو رد کر کے، پورے خاندان کی زندگی خطرے میں ڈال دے گا۔ ایک بندہ وہاں سے ایسیوٹس کے ڈرائیور کے پاس چلا گیا۔ اس نے اس سے کچھ کہا، ایسیوٹس کے دونوں گیٹ باہر سے بند کر دیے، اور وہ سائرن بجاتی ہوئی اسی ہسپتال میں جانے لگی، جہاں کچھ دیر پہلے، ان لوگوں نے نازہ کو چھوڑا تھا۔

نازہ نے اسی عورت کو دیکھا، وہ ابھی تک بدستور، نازہ کو سوالیہ انداز میں دیکھے جا رہی تھی۔

"میں دراصل اس شہر کی نہیں ہوں۔۔۔!! مگر ہنسیتی سے میں ایک فیملی ٹرپ پر آئی تھی۔۔۔!! مگر میں ان سے چھڑ گئی۔۔۔!! اور میرے پاس پیسے بھی نہیں ہیں۔۔۔!! برائے کرم، آپ مجھے میرے گھر پہنچا سکتی ہیں؟"

"آپ کس شہر سے آئی ہو؟" نازہ نے اپنے شہر اور محلے کا ایڈریس بتایا۔

"اوہ۔۔۔!! یہ تو بہت دور ہے۔۔۔!! مگر میں آپ کو کچھ دور تک لفٹ دے سکتی ہوں۔۔۔!! ویسے آپ ان کو کال بھی کر سکتی ہیں۔۔۔!! کیا آپ کال نہیں

کرنا چاہتی ہے؟" اسی عورت نے پہلے حیرانی سے کہا۔

"نہیں۔۔۔!! دراصل میرے پاس موبائل فون نہیں ہے۔۔۔!! اور میں اس وقت بالکل بے یار و مددگار ہوں۔۔۔!! آپ کی بیٹی میری بیٹی ہوگی۔۔۔!! اگر آپ مجھے قریبی آگے پہنچا کر وہاں کسی گاڑی میں سوار کرنا کہیں، اس کا کریڈیٹ دیں، اس کے علاوہ کچھ پیسے دیں۔۔۔!! میں ساری زندگی آپ کی احسان مند رہوں گی۔۔۔!! "نازہ نے اس کی طرف دیکھ کر مشکور بھرے لبے میں کہا۔ وہ عورت سوچ میں پڑ گئی۔ پھر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اب اس نے دروازہ کھول کر نازہ کو اپنے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بٹھالیا۔ اور گاڑی آگے روانہ ہو گئی۔ وہ عورت اس پر مہربان ہو گئی تھی۔ نازہ کے ساتھ اس کا ہمزاد بھی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ جو اس عورت کو نظر نہیں آ رہا تھا۔

کرین کی مدد سے گاڑی کو بالکل سیدھا کر لیا تھا، دوسری ایسیوٹس آچکی تھی۔ میکان کو گاڑی سے نکالا جا چکا تھا۔ اس کو اندرونی کوئی چوٹ نہیں لگی تھی۔ کیونکہ اس کے ہاتھ پر بالکل سہمی سالم تھے۔ اسے بیرونی چوٹیں آئی تھیں۔ اس کا چہرہ رگڑ چکا تھا، اور ہاتھ پاؤں میں شدید درد محسوس ہو رہا تھا۔ باپ کے ساتھ اس کو ایسیوٹس میں منتقل کیا جا چکا تھا۔ اب ایسیوٹس ہسپتال کی طرف روانہ ہو چکی تھی، ان کی گاڑی روڑ کے کنارے کھڑی کر دی گئی تھی۔ ایسیوٹس چلتی ہوئی ہسپتال کے پاس پہنچ گئی۔ جیسے ہی ایسیوٹس کا گیٹ کھلا، میکان نے بے ساختہ نظریں نازہ کی تلاش میں دوڑائیں۔ مگر اسے نازہ کہیں بھی دکھائی نہیں دی۔ اس کو شدید حیرت ہوئی۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اب اس کو ہسپتال کے اندر منتقل کیا جا رہا تھا۔ میکان نے کئی بار، ادھر ادھر دیکھا، وہ جیسے کسی صدمے کا شکار لگ رہا تھا۔ مگر وہ بالکل بھی باہر پرسکون نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ اس کے اندر ٹوٹ پھوٹ چل رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

"کاش۔۔۔" اگلی اسے اکیلا نہیں چھوڑتی۔۔۔ "اگر وہ جانتی تھی تو اس نے اسے اسٹریچر میں لیتے تو اس نے پورے کوریدور میں سیریاں دوہرائیں شروع کر دیا۔ عادل بھی اس کی بے چارگی کے دکھانے کا منہ نہیں کھولا۔ اس نے کچھ بھی نہیں کہا۔ اس کو جتنی حد تک پہنچا تھا۔

"تو کہو۔۔۔" سیریاں نے اسٹریچر والے سے کہا۔ دیکھو لہکارے ناچنے سے اسے دیکھا۔

"کیا ہوا ہے؟" سیریاں سانسے پارکنگ میں ایک لڑکی بے ہوش ہو چکی تھی۔ "پلیز آپ اس کے بارے میں معلوم کریں۔"

"ہاں! آپ رینکس ہو جائیں۔۔۔" میں معلوم کروں گا۔۔۔"

"آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔۔۔" "میرا نام ہے۔۔۔" اب وہ اسے ہسپتال کے اندر لے جا رہے تھے۔ عادل بھی دوسرے وکیل چیئر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کو ایمر مریضی میں پہنچایا جا رہا تھا۔

بڑا دل ہی دل میں گھبراہٹ تھی۔ وہ خوفزدہ تھی یہ عورت کیسے اس کے ساتھ کچھ غلط نہ کر دے۔ مگر اس کا ہنر وہ اس کے ساتھ تھا۔ جو اسے پرسکون رہنے کا تار باندھتا۔ اس کی سانس جب اعتدال پر آئی، جب وہ عورت اس کو پسینہ ڈالنے کے پاس ڈراپ کرتے ہوئے ہوئی۔

"کوئی۔۔۔" ہم اگلے پر پہنچ گئے ہیں۔۔۔" یہاں سے تمہارے شہر والی گاڑی با آسانی مل جائے گی۔۔۔" "نازہ نے اسے مشکور نظروں سے دیکھا۔

"میں تاہم آپ کی مشکور رہوں گی۔۔۔" پلیز آپ مجھے نکت کے علاوہ بھی کچھ اضافی رقم دیجیے گا۔۔۔" وہاں سے میں گھر تک رکشہ یا کسی کرائے پر لے لوں گی۔۔۔" "نازہ نے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں توڑی مروڑی۔ جیسے وہ گھبرا کر کہہ رہی ہو۔

"ہاں۔۔۔" آپ کو زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔" "سیریاں میں آپ کو اس لیے لے کر آئی ہوں۔۔۔" تاکہ آپ اپنے گھر واپس جاسکیں۔۔۔" "وہ عورت اب گاڑی پارکنگ کے لیے سڑک کنارے جگہ ڈھونڈنے لگی۔ یہ اجنبی مصروف شاہراہ تھی۔ سیریاں بہت زیادہ دشت تھا۔ جگہ خرابے سے بھری تھی۔ اب وہ دونوں گاڑی سے اتر کر اگلے کے اندر چلی گئیں۔ نازہ کے چہرے پر اب کوئی پریشانی نہیں تھی۔ اب وہ اس کے شہر جانے والی بس سروس کی معلومات لے رہی تھی۔ اس نے معلومات لے کر نازہ کے لیے بس کا ٹکٹ کٹا دیا۔

"یہ رہا تمہارا گھر جانے کا ٹکٹ۔۔۔" "وہ عورت مسکرا کر ٹکٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے ہوئی۔ نازہ نے مسکرا کر ٹکٹ لے لیا۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی ہے۔۔۔" "میں آپ کا کیسے یہ احسان اتاروں گی؟ آج میں اتنا تادوں۔۔۔" اس دنیا میں سب برے نہیں ہیں۔۔۔" "کچھ اچھے لوگ بھی ہیں۔۔۔" "جو دوسرے کے برے وقت میں کام آتے ہیں۔۔۔" "جیسی تو یہ دنیا قائم و دائم ہے۔۔۔" "نازہ اس کے گلے لگ کر جذباتی انداز میں کہنے لگی۔ وہ عورت مسکرائے گی۔ اب نازہ اس سے جدا ہو رہی تھی۔ نازہ کے ساتھ اب وہ بس ٹرمینل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہاں اسی کے شہر جانے والی مشہور بس سروس کا اڈا تھا۔ جیسے ہی وہ دونوں بس کے پاس پہنچی۔ اس عورت نے پرس کھول کر اس میں سے پانچ سو کا نوٹ نکال کر نازہ کی طرف بڑھا دیا۔ نازہ نے خوشی سے وہ نوٹ لے لیا۔ اور بس میں چڑھ گئی۔ اب وہ اسی عورت سے رخصت لے رہی تھی۔ وہ عورت اسے سیٹ پر بٹھا کر خود واپس چلی گئی۔ حالانکہ نازہ نے اس کا نام تک نہیں پوچھا تھا۔ وہ نازہ کے لیے وہ کون تھی کے برابر تھی۔ اب کا مزاج جو بس اگلے تک ساتھ آیا تھا۔ وہ ایک دم کہیں کم ہو گیا تھا۔ نازہ نے بھی زیادہ اس کی پروا نہیں کی۔

سب کا چیک اپ ہو چکا تھا۔ اریسا کے ہاتھ پر پلاسٹر باندھا گیا تھا۔ اریسا کو بھی کافی چوٹیں آئی تھیں، مگر وہ بھی بیرونی تھیں۔ بڑی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ میاں کا بھی ٹریٹ منٹ ہو چکا تھا۔ فرحت بیکم بھی بچ گئی تھی، عادل بھی خوش قسمت ثابت ہو چکا تھا۔ سب اب ہسپتال کے کوریدور سے باہر آ چکے تھے۔ سوائے میاں کے، وہ سب ایک سٹج پر بیٹھ گئے۔ ان کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔ سز عادل کا منہ بنا ہوا تھا۔ میاں انھیں کر لوگوں سے نازہ کے بارے میں پوچھتا پوچھتا پھر رہا تھا۔ مگر ہر بندہ فنی میں گروں بنا دیتا۔ وہ خیر ان ہور رہا تھا۔

"وہ کیسے کم ہو سکتی ہے؟ وہ اسی پارکنگ میں بے ہوش ہو چکی تھی۔۔۔" "وہ کہاں جاسکتی ہے؟ اس شہر میں اس کا کوئی بھی جاننے والا نہیں ہے۔ وہ ایسے کیسے نہیں جاسکتی ہیں؟" "سارے ہسپتال میں محوم پھر کر میں نے دیکھ لیا۔۔۔" "اس کا پتہ ہی نہیں چلا۔۔۔" "اب وہ ہسپتال کی عمارت سے باہر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے سے پریشانی مٹا دی ہوئی تھی۔ وہ چلتا ہوا اپنے خاندان کے پاس آ گیا۔ سب نے اسے قہر الو نظروں سے گھور کر بس سب نے گھورنے پر ہی اکتفا کیا۔ کیونکہ وہ لوگ اس وقت ایک دوسرے سے کوئی بھی بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اریسا کو اپنا ہاتھ فرچکر ہونے کا شدید دکھ تھا۔ وہ بہت زیادہ رو رہی تھی۔

"آف اللہ۔۔۔" "ہمارے گھر پر تو جیسے مصیبتوں کا پراڈ نوٹ پڑا ہے۔۔۔" "ایک مصیبت ختم نہیں ہوتی ہے۔۔۔" "دوسری سر اٹھا کر سامنا کر لیتی ہے۔۔۔" "کیسے نہ مان کی طرف دیکھا۔

"بھائی! اگر تمہاری سلاش گشددی ختم ہو چکی ہو۔۔۔" "تو ہم واپس گھر چلیں۔۔۔" "اب تو یہاں رہنے کا کوئی جواز بھی نہیں بنتا ہے۔۔۔" "اویسے بھی میں مزید کبھی کسی ٹرپ پر نہیں جاؤں گی۔۔۔" "بس تاہم یہ تجربہ کافی ہے۔۔۔" "میں انھیں نازہ کو لے جانے کا

فیصل بھی اچھا سمجھتا تھا۔۔۔" "کریسا نے منہ نہ کر سکتی تھی۔۔۔" "ہاں! میں انھیں گھر نہ جاؤں۔۔۔" "کیا پتہ اس ٹرپ پر ہر روز کی مصیبت سے تھک رہا ہے۔۔۔" "میں یہ ٹرپ ہی وقت کیسے نہیں کر سکتی چاہیے تھی۔۔۔" "جب ہوئی میں بھرا بھرا ہوا تھا۔۔۔" "عادل نے اپنی بیٹی کو اسے یاد دلائی۔ "تو ایشی! اچھا! اس بات کی ہے؟ آپ گاڑی منگولیں۔۔۔" "کریسا نے باپ کی طرف دیکھا۔

"میں ہاتھ بڑھا کر کہیں نہیں جاؤں گی۔۔۔" "وہ ہمارے گھر کی ایک فریب ہے۔۔۔" "جیساں نے ایک دم سے انھیں کر دینا ہی ہے کہ۔۔۔"

"میرا۔۔۔" تم جانتے ہو۔۔۔" "تمہارا لہجہ کس قدر بدلتا ہے ہر بار؟" "تم ایک مصلوبی لڑکی کی خاطر ہمیں جتنی نقصان کے ساتھ ساتھ مل رہے ہو۔۔۔" "تمہاری اس جبرانی نقصان بھی دے چکے ہو۔۔۔" "تمہاری اس بے جاوت کو میں کیا کہوں؟ کیا میں یہ سمجھوں؟" "تم اس نوکری کو بادلانی کے روپ میں دیکھ رہے ہو؟" "فرحت بیگم سانس کی تانہ پھوٹا رہی تھی۔

"نہیں۔۔۔" "اگلی خدا کی قسم۔۔۔" "ایسا دیا کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔" "بس مجھے یہ رو یہ جو آپ نے اس کے ساتھ اس ٹرپ پر دیا رکھا ہے صدقہ لگا۔۔۔" "جب تو میں خاموش تھا۔ مگر وہ تو اپنا کام ہی سے کر رہی تھی۔۔۔" "وہ نوکری تھی تو کام بھی نوکروں والے کر رہی تھی۔ مگر جو آپ لوگوں نے اسے سچ سچ کر پرتن تمہارا کسی سہارے کے چھوڑ دیا۔۔۔" "یہ سب ہضم نہ ہو سکا۔۔۔" "شاید! اس نے اللہ سے کوئی تو شکوہ کیا ہوگا۔۔۔" "جو ہم اس قدر مصیبت کا شکار ہو گئے۔۔۔" "اللہ کی لاجھی ہے آواز ہوتی ہے۔۔۔" "ہمارے گھر پر ایسی ہی مشیتیں نازل نہیں ہو رہی ہیں۔۔۔" "میرا نے ماں کو سمجھا شروع کر دیا۔

”بردار رحم دل فگار۔۔۔ آپ بالکل غلط تھی میں جتنا ہوں۔۔۔ کسی مظلوم کا شکوہ، اللہ کی بٹائی گئی مصیبت کا سبب ضرور بنتا ہے۔۔۔ مگر تازہ وہ تو بالکل بھی مظلوم نہیں ہے، اور مجھے یہاں کوئی بھی مظلوم نہیں لگتا ہے۔۔۔ ہر غلطی والہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کی اجازت دیتا ہے۔۔۔ مگر آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے۔۔۔ کافی عرصے سے، بلکہ نئے سال کے پہلے دنوں سے ہی تازہ نے اسے رنگ، ڈھنگ بدل ڈالے تھے۔۔۔ اب وہ بالکل بھی مظلوم، لاچار ہے بس نہیں رہی۔۔۔ اسے جواب بھی دینا آگیا تھا۔۔۔ اور کام چوری کرنے کی عادت بھی ہو گئی تھی۔۔۔ اور اس کے روپ میں اس قدر بدلاؤ بھی نہ دیکھتا۔۔۔ اور تازہ، پہلی نوے گھنٹے کی مانند تازہ ایک دم سے کیسے اس قدر حسین و جمیل ہو گئی۔۔۔ اور دیکھنے والی ہر آنکھ میں اس کے لیے ستائش ہوتی۔۔۔ اور جہاں بھی جاتی، ہمیں احساس کسری میں مبتلا کر دیتی۔۔۔ ہم جو لاکھوں روپے اپنے اوپر اڑاتے۔۔۔ اس کے جیسا حسین و جمیل، حسن آفتاب چہرہ اب تاب چہرہ کیوں نہیں پاسکتے۔۔۔ کیونکہ کچھ تو اس نے کیا ہے۔۔۔ کچھ ایسا جو ہماری بے خبری، ہم اس نے کر ڈالا اور ہم ہر چیز سے انجان رہے۔۔۔ اور ایک ایسا فتنہ ہے، جو ہمیں دھیرے دھیرے چپے کی طرف لے جا رہی ہے۔۔۔ تم لوگوں کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے۔۔۔ مگر میں سب سمجھ رہی ہوں۔۔۔ ”لیسا تیرے دل کے لیے میں ہوں، باپ، بہن، بھائی کو سمجھتی رہی۔ اور ہاتھ نہ چھوڑا کر کبھی رہی۔“

”تم لوگوں کو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے؟ ایک معمولی سی لڑکی نے تم لوگوں کو اس قدر پھینک دیا؟ کیوں؟ کیا دیا ہے؟ کیوں وہ تم لوگوں کے حواسوں پر بری طرح سے سوار ہو گئی ہے؟ کیوں؟ مجھے سمجھ نہیں آتی ہے۔“ عیساں نے بھی چار کر سب کو متوجہ کیا۔

”کیونکہ اس نے سوار ہونے کا یہ فن بخوبی

سیکھ لیا ہے۔۔۔ اس وقت بھائی، وہ ہمارے حواسوں پر نہیں، آپ کے حواس پر سوار ہو چکی ہے۔۔۔ اور وہ تیرے پروردگار کی، گھر پہنچ چکی ہوگی۔۔۔ اور اگر آپ اس کی محبت میں پتہ نہیں کونسا جہاں فتح کرنا چاہ رہے ہیں۔۔۔ ”لیسا نے ایک بار پھر سے بدتمیزی کی۔“

”لیسا۔۔۔ خاموش ہو جاؤ۔۔۔ بس!!“ بہت بکواس ہو گئی ہے۔۔۔ تم اپنے بھائی سے اس طرح سے بات نہیں کر سکتی ہو۔۔۔ ”عادل نے ایک دم سے لیسا کو دیکھا۔“

”اوکے ڈیڈی۔۔۔ اٹھیک ہے۔۔۔ مگر آپ بس اللہ سے ایک ہی دعا کریں۔۔۔ اور دوبارہ کبھی ہماری زندگی میں واپس نہ آجائے۔۔۔ کیونکہ ایک قیامت کا سامنا ہم کر رہی ہیں۔۔۔ اور اگر وہ لڑکی ہم سے پہلے گھر پہنچ گئی، تو سمجھ لیجیے۔۔۔ یہ قیامت بھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔۔۔“

”میرے سامنے وہ ایک بار آجائے، تو میں اس کی چڑی اڑھیز کر رکھ دوں۔۔۔ اے جی لڑکی، مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔۔۔ اور میرے بیٹے کو باغی بنا ڈالا۔۔۔ عیساں جج جج ہٹاؤ۔۔۔ کیا تم دونوں کا کوئی چکر و کرچل رہا ہے؟“ ایک دم سے بے خونی سے سزا عادل نے بیٹے کا بازو پکڑ کر گھمایا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

”نہیں۔۔۔ امی۔۔۔ میں قسم کھا چکا ہوں۔۔۔ تازہ سے میرا کوئی پیار و یار کا تعلق نہیں ہے۔۔۔ اب سب جھوٹ ہے۔۔۔ آپ لوگ مجھ پر بہتان لگا رہے ہیں۔۔۔ اپنے بیٹے پر یقین نہیں کر رہے ہیں۔۔۔“

تو دیا۔۔۔ ”میرا دل چھلنی کر کے رکھ دیا۔۔۔“ فرحت بیگم دل کھول کر بھڑاس نکالنے لگی۔

”امی۔۔۔ انسانی ہمدردی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔۔۔ عیساں نے لا جواب کر دیا۔

”بس۔۔۔ یہ ہسپتال ہے۔۔۔ چھب کر جائے۔۔۔ جس کے جوبی میں آ رہا ہے۔۔۔ وہ بولے جا رہا ہے۔۔۔ خاموش ہو جائیں۔۔۔ خدا کے لیے، بس اب ہمیں خاموشی سے واپس چلے جانا چاہیے۔۔۔ ”عادل نے اٹھتے ہوئے کہا۔ سب لوگ خاموش ہو گئے۔ سب پر کچھ محلوں کے لیے سکتے طاری ہو گیا۔

☆ ☆ ☆ تازہ بس میں بیٹھی ہوئی تھی، بس اڑے سے نکل چکی تھی، اس کے ساتھ والی سیٹ پر کوئی اڑھیز عمر خاتون بیٹھی اسی کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ تازہ نے اسے زیادہ توجہ نہ دی۔ اور کھڑکی کے شیشے سے باہر دیکھتی رہی۔ وہ باہر کے مناظر سے دل بہلاتی رہی۔

”بیٹا۔۔۔ کیا اکیلی سفر کر رہی ہو؟“ اس خاتون نے کمزوری آواز میں پوچھا۔ تازہ نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر اثبات میں سر ہلایا۔

”کہاں جا رہی ہو؟“ بڑی بی کی طرف سے ایک اور سوال داغ گیا۔

”گھر۔۔۔“ تازہ نے تسلی بھرے انداز میں مختصر جواب دیا۔ اور دوبارہ کھڑکی سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔ بڑی بی مسکراتے ہوئے

ہو چکا ہے۔۔۔ میں اپنے ماموں کے ساتھ رہتی ہوں۔۔۔ ان کے گھر کا سارا کام کاج کرتی ہوں۔۔۔ جو وہ کہتے ہیں۔۔۔ اسی کرتی تھی۔۔۔ ان کے کام کے سلسلے میں گھر سے نکلی تھی۔۔۔ مگر کام اور مرادہ گیا۔۔۔ تو بس گھر واپس ہو رہی ہے۔۔۔ ”تازہ کو کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ کیا کہے۔ اور دوسری باتیں شروع ہو گئی۔ وہ پریشان لہجے میں، صاف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بات چیت چھوڑ دی۔

”بیٹا۔۔۔ اب میں نے تمہیں دیکھا تو مجھے تم بہت زیادہ پریشان لگ رہی تھی۔۔۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا۔۔۔ تم پریشان ہو۔۔۔ اس ہو۔۔۔ بیٹا۔۔۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔ میں بھی اپنے گھر میں اکیلی رہتی ہوں۔۔۔ انہوں کی تسلی ہوئی ہوں۔۔۔ میرا بیٹا باپنی بیوی کو لے کر لندن چلا گیا ہے۔۔۔ دوسری بیٹی نے منہ پھیر لیا ہے۔۔۔ ایشیا ان کے بچوں کی خاطر آنکھیں ترس جاتی ہیں۔۔۔ جب دل کے صبر کا پیمانہ چھلنے لگتا ہے۔۔۔ تو اکیلی سفر پر بیٹے کے بچوں کو دیکھنے چلی جاتی ہوں۔۔۔ مگر ان لوگوں کو میرا آماجگاہ گوارا کرتا ہے۔۔۔ مجھے دو گھنٹی بیٹھنے نہیں دیا جاتا۔۔۔ انہیں کسی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔۔۔ اور اصل میری بیٹی جانتی ہے۔۔۔ جس گھر میں میں رہتی ہوں۔۔۔ میں وہ اس کے نام کر کے خود دار لا مان چلی جاؤں۔۔۔ اپنے بڑھاپے کے باقی ماندہ دن وہیں بسر کروں۔۔۔ میں گھر کیسے اس کے نام کر سکتی ہوں؟ اس میں میری زندگی بھری یادیں ہیں۔۔۔ اور اس میں میرے بیٹے کا قانون اور شرعی حق ہے۔۔۔ میرے بڑھاپے کا واحد سہارا ہے۔۔۔ ”تازہ کو اب اس کی استوری میں دلچسپی محسوس ہوئی۔

”بڑی اماں۔۔۔“ تازہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”ہائے! میں صدقہ میں قربان۔۔۔ اس

اس لیے ہمزاد غائب ہو گیا۔

"بیٹا!! کیا سوچتے جا رہی ہو؟ مجھے اپنا سمجھو!! بڑی اماں کہاں ہے۔۔۔ اب اس کا مان بھی رکھو۔۔۔ بڑی بی نے تازہ کو اپنے قریب کندھے سے لگایا۔ تازہ نے سکون کی سانس لی۔

☆.....☆.....☆

"چلو!! اٹھو۔۔۔ اب گھر جا رہے ہیں۔۔۔ ادو بارہ میں بالکل بھی اس منحوس لڑکی کا ذکر کسی کے من سے نہ منوں۔۔۔!!" عادل صاحب نے سب کو خبردار کیا۔ سب ایک دوسرے کو ہڈتوں کی طرح دیکھنے لگے۔

"ہاں۔۔۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔۔۔ اب جو چیز تم ہو جائے، اس کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔۔۔ ادو بھی ہمارے لیے کسی ناکارہ چیز سے کم نہیں تھی۔۔۔ اب جو ہم سے گم ہو گئی۔۔۔!!" لیہا نے باپ کا بازو پکڑ کر مان سے کہا۔

"وہ کوئی چیز نہیں تھی۔۔۔!! ایک جیتی جاگتی انسان تھی۔۔۔!!" میاں جینے لگا۔

"میاں۔۔۔ بس کرو۔۔۔!! چلو۔۔۔!!

ارپنا انھوں۔۔۔ اب ہم واپس جا رہے ہیں۔۔۔!!" فرحت بیگم نے بیٹے کو سنایا۔ میاں کے من پر بارہن رہے تھے۔ وہ خاموش ہو گیا۔

"ادو کے اٹھیک ہے۔۔۔ ہم جا رہے ہیں۔۔۔!! مگر اس گاڑی کا کیا؟ کیا اسے ہم یہاں چھوڑ کر چلے جائیگے؟" میاں نے باپ سے نرم لہجہ میں بات کی۔ اس کے حواسوں پر سے تازہ اتر چکی تھی۔ اس نے اسے آس پاس ہسپتال میں بہت ڈھونڈا تھا۔ مگر وہ نالی تھی۔

"میں نے ملکیت کو نوں کر دیا ہے۔۔۔!! اس کا اسی شہر میں کوئی جانے والا ہے۔۔۔ ادو اسے سسٹری خانے لے جانے آ جائیگا۔۔۔!!" عادل نے بھی بیٹے سے کہا۔ اب وہ سب اٹھ کر پارکنگ کی طرف جانے لگے۔ باہر آکر وہ سڑک کنارے کھڑے ہو گئے۔

لفظ کو سننے کے لیے میں ترس گئی تھی۔۔۔!! ایک بار پھر سے کہہ دو۔۔۔!! مجھے دل سے خوش ہوگی۔۔۔!! بڑی بی نے اس کے چہرے پر ہنسنا سے ہاتھ رکھا۔ تازہ مسکرائے لگی۔

"بڑی اماں۔۔۔!! تازہ نے کہا۔

"بیٹا!! تم نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔۔۔!! اب تم اپنی پریشانی کی بات کہہ دو۔۔۔!! کیوں ادو اس تھی؟ ہو سکتا ہے۔۔۔!! میں پورے جان تہناری کچھ کام آسکوں۔۔۔!!" تازہ سوچ میں پڑ گئی۔ پھر اس نے کچھ فیصلہ کر لیا۔

"پتہ نہیں!! مجھے بتانا چاہیے بھی یا نہیں۔۔۔!!" تازہ نے سوچا۔ اچانک بس کے شف میں اس کا ہمزاد نظر آیا۔ اس نے اسے دیکھا۔ پھر مسکرایا۔ تازہ بھی مسکرائے لگی۔

"ایک انجینی انسان کو اپنے دل کا دکھ بیان کر دینا چاہیے۔۔۔!! ایک انجان آدمی ہمارے لیے اتنا ہی بے خطر ہوتا ہے۔۔۔!! جتنا ہم اس کے لیے۔۔۔!!" ہمزاد نے کہا۔ وہ دل ہی دل میں ہمزاد سے سمجھ رہی۔

"کیا ساری سچائی بتا دینی چاہیے؟" ہمزاد نے نفی میں گردن ہلاتی۔

"نہیں!! جتنی ضروری ہو۔۔۔!! اگر ساری سچائی بتا دی۔۔۔!! تو کوئی تہناری بات کا یقین نہیں کرے گا۔۔۔!! کچھ سچائی، کچھ جھوٹ، کچھ کہانی، کچھ اداکاری، کیونکہ کوئی بھی انسان خدا نہیں ہوتا ہے۔۔۔!! جو تہنارے بارے میں جان کر تم سے وعدہ کرے گا۔۔۔!! تہنارے ساتھ مخلص ہوگا۔۔۔!! ہو سکتا ہے۔۔۔!! یہ جو بڑی بی تم پر مہربان ہو رہی ہے۔۔۔!! یہ بھی پوری سچائی نہیں۔ تہناری ہو۔۔۔!! اگر اس کے بچے اس سے ملاں ہیں، تو ضرور اس سے بھی کوئی نہ کوئی خطا سرزد ہو چکی ہوگی۔۔۔!!" ہمزاد جیسے اس کے دل کی بات سن کر اسے جواب دینے لگا۔ تازہ نے اثبات میں سر ہلایا اور

"یہاں ہم جیسی میں جا نہیں گئے؟" ارپنا نے کہنے سے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔!! آن لائن گاڑی منگوا رہا ہوں۔۔۔!! ہمیں اڑے جانا ہوگا۔۔۔!! ادو اس آتشیں کار بنگ کروالینگ۔۔۔!!" عادل نے موبائل نکال کر مگر کی دیکھا۔

"ہاں۔۔۔!! یہ ٹھیک رہے گا۔۔۔!!" فرحت بیگم نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔ اب ان کے چہروں سے ادو فرم ہو گیا تھا۔ سب لوگ جیسے ہلکے ہلکے ہو گئے تھے۔ سڑک پر کئی گاڑیاں گزر کر آگے جا چکی تھیں۔ فرحت بیگم کین پر دو رنگا ہوں سے میاں کو دیکھ رہی تھی۔ مگر اس نے میاں کو دو بارہ کچھ بھی نہیں کہا۔ اچانک وہاں ایک گرین رنگ کی گاڑی آہستہ ہوئی۔ وہ آن لائن کیب تھی۔ عادل صاحب نے موبائل پر اسے بک کر لیا تھا۔ عادل آگے، بیٹہ نے میاں اور باقی سب پیچھے بیٹھ گئے۔ باقی چار افراد پیچھے بیٹھ پر بہت تنگ سے بیٹھ گئے۔ سب کے من کے زاپے بری طرح سے ادھر ادھر محسوس گئے۔ کیب بس ڈسے کی طرف جانے لگی۔

☆.....☆.....☆

اچانک بس رک گئی، تازہ جو خاموش تھی، اور وہ اورت جو اس کے بولنے کی خاطر تھی، اس نے تازہ کو دیکھا۔ تازہ نے اسی سے پوچھا۔

"یہ بس کیوں رک گئی ہے؟" اس نے خاتون سے پوچھا۔

"یہاں ایک چھوٹا سا ہوٹل ہے۔۔۔!! چونکہ تازہ لہا ہے۔۔۔!! اس لیے بس ڈرائیور اسی مقام پر بس کر دیتا ہے۔۔۔!! یہ پانچ دس منٹ کا وقفہ ہوتا ہے۔۔۔!! کوئی مسافر کچھ لینا چاہے، کچھ کھانا چاہے۔۔۔!! کچھ لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں۔۔۔!! اس لیے یہ تھوڑا سا وقفہ بہت ضروری ہوتا ہے۔۔۔!!" ادو حیرت مورت نے کہا۔ تو تازہ نے کہت میں سر ہلایا۔

"اچھا!! آپ نے بتا دی ہیں۔۔۔!!" سوچ رہی ہوں۔۔۔!! کہاں سے شروع کروں؟" تازہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"یہاں سے تہناری بات کر رہی تھی۔۔۔!!

تھیں؟" تازہ نے اس کی چہرے پر نگاہیں پھرائی۔

"مجھے بیٹی اماں سب اس لیے کہتے تھے۔۔۔!! کچھ مجھے یہ نام پسند تھا۔۔۔!! اب میرا بیٹا بہت محبوب تھا۔۔۔!! اب وہ بول بھی نہیں سکتا تھا۔۔۔!! میں اسے اتنا کھانسی دیتی تھی۔۔۔!! بس ایک دن اس نے بیٹی اماں منہ سے کیا نکالا۔۔۔!! ادو پہلے الفاظ تھے۔۔۔!! پھر تو مجھے یہ لفظ تھی جان سے فرز بن گیا۔۔۔!! پھر بیٹے کی دیکھا دیکھی، خاندان کے سارے بچے، مجھے بیٹی اماں کہہ کر بلانے لگے۔۔۔!! بس چنا۔۔۔!! وقت کی ایک بات بہت اچھی ہوتی ہے۔۔۔!! چاہے برا ہو یا اچھا۔۔۔!! گزر رہی جاتا ہے۔۔۔!! ارپنا نہیں ہے۔۔۔!! کل کا اجماعت میرا گزر چکا ہے۔۔۔!! اب جو برا آیا ہے۔۔۔!! یہ بھی گزر جائے گا۔۔۔!! کچھ لوگ بس سے اتر چکے تھے، کچھ رہ گئے تھے۔ بڑی اماں خاموش ہو گئی۔ تازہ نے اس کے طرف نرم ہاتھ سے دیکھا۔ پھر انہات میں سر ہلایا۔ وہ مسکرائے لگی۔

"ہاں۔۔۔!! بڑی اماں۔۔۔!! میرا نام تازہ ہے۔۔۔!! میں ایک لمبے عرصے سے اپنے ماموں کے ہاں رہ رہی ہوں۔۔۔!! ممانی مجھے مفت کی بے دام تمام سمجھتی ہے۔۔۔!! ان کے بچے مال قیمت۔۔۔!! جس کا جو جی چاہے۔۔۔!! میرے ساتھ کر سکتے تھے۔۔۔!! پہلے میں پتی تھی۔۔۔!! پھر حکم ستم۔۔۔!! جاتی تھی۔۔۔!! سال کے آواں دنوں سے، میں نے ان سب کو جواب دینا شروع کر دیا۔۔۔!! ان کو میرا جواب دینا پڑا۔۔۔!! میں ان کا تھوڑا درجہ نہیں سہہ سکتی تھی۔۔۔!! اس لیے ان سب نے مجھے

ٹپ پر لے جانے کے بہانے، یہاں اس شہر میں چھوڑ دیا۔ تاکہ میری ان سے جان چھوٹ جائے۔ مگر میں بھی اب ڈھیت بن گئی ہوں۔ مجھے کم از کم اپنے شہر کا نام، اور اپنے محلے کا ایڈریس معلوم ہے۔ میں واپس جا رہی ہوں۔ جہاں ان لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ اوہاں ایک بھلی ماٹس عورت نے میری مدد کی۔ میرا بس کا ٹکٹ کٹا کر دیا۔ بلکہ بس اڑے سے گھر تک جانے کے لیے، پانچ سو روپے کا کرایہ بھی دے دیا۔ تازہ کے آنکھوں میں ایک دم سے موندے، موندے آنسو تیرنے لگے۔ وہ رونے لگی۔ بڑی اماں نے اسے اپنے سینے لگایا۔ تازہ کے سارے آنسو اس کے کپڑوں میں جذب ہو گئے۔ اور اگر تمہیں ان لوگوں نے قبول نہیں کیا۔ تو پھر تمہارا کیا ہوگا؟ بڑی اماں نے اسے خود سے سوال کیا۔

"اللہ کی زمین بہت بڑی ہے۔ کئی نہ کئی سب بن جائے گا۔" تازہ نے اپنے آنسو پونچھ لیے۔ دوبارہ اس کے آنکھیں اس سوال پر بھرا آئیں۔

"بڑی اماں! کیا انسان اتنے خود غرض بن جاتے ہیں۔۔۔ اپنے خون کو پہچان نہیں پاتے ہیں۔۔۔ ان کو دکھ دے کہ کونسا جہاں فتح کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟ وہ یہ کیوں نہیں سوچتے ہیں۔۔۔ آج سے سو سال بعد وہ خود کو کہاں دیکھتے ہیں؟ وہ کیوں بھول جاتے ہیں؟ سب نے جس زمین کے اوپر رہتا ہے۔۔۔ اسی کے نیچے چلے بھی جاتا ہے۔ کیا ہم اپنے دادا، پردادا کو یاد رکھے ہوئے ہیں۔۔۔ یا ان کے نام بھی بھلا بیٹھے ہیں۔۔۔ بس اگر کچھ یاد رہتا ہے، تو وہ کہانیاں بن جاتی ہیں۔۔۔ جن کو ہم بھلا چکے ہیں۔۔۔"

"ارے میرا بچہ۔۔۔ تم نے تو مجھے لا جواب کر دیا ہے۔۔۔ اتنی ذہانت۔۔۔ بڑی اماں نے اسے گلے لگایا۔

"بڑی اماں بتائیں ناں؟"

"بیٹا۔۔۔ انسان سے بڑی خود غرض اور مطلبی مخلوق کوئی نہیں ہے۔۔۔ اگر تم میرے ساتھ، میرے گھر جانا چاہو۔۔۔ تو میں وعدہ کرتی ہوں۔۔۔ میں تمہارا اپنی بیٹیوں کی طرح خیال رکھوں گی۔۔۔ تم ان خود غرض اپنوں سے بہت دور چلی جاؤ گی۔۔۔ جو تمہارے بغیر خوش ہیں۔۔۔ بڑی اماں نے اسے اپنے سینے سے چمکا کر جذباتی انداز میں کہا۔

"نہیں! بڑی اماں۔۔۔ پہلے تو میں گھری جاؤں گی۔۔۔ اگر ان لوگوں نے قبول نہیں کیا۔۔۔ جب آپ کی تجویز قابل غور ہو سکتی ہے۔۔۔ ہاں آپ مجھے اپنے گھر کا پتہ بتا دیں۔۔۔ نمبر دے دیں۔۔۔ میرے پاس اپنا موبائل تو نہیں ہے۔۔۔ مگر میں کئی نہ کئی طریقے سے آپ سے رابطہ ضرور کروں گی۔۔۔ تازہ اب اس کے کندھے پر سر رکھے کبے جا رہی تھی۔ بڑی اماں مسکرائے لگی۔

☆ ☆ ☆

بس اڑے میں، ان لوگوں نے اپنے لیے ایٹشل کاربک کروائی، اور اب سب اسی کاربک، اپنے شہر کا، طرف ٹوٹے ہوئے تھے۔ وہ سب لوگ بالکل خاموش تھے۔ گاڑی میں نصرت فتح علی خاں صاحب، کاگنا چل رہا تھا۔ مگر کسی کا بھی دھیان گانے کی طرف نہیں تھا۔ گاڑی کا ڈرائیور بھی سڑک پر نگاہیں جماد کر، تندہی سے ڈرائیو کیے جا رہا تھا۔ اریہا دکھ سے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"پتہ نہیں، وہ کوئی منحوس گھڑی تھی۔۔۔ جب میساں نے تازہ کو بھی ساتھ چلنے کی بات کی تھی۔۔۔ اکاش۔۔۔ میں اسی لمحے منع کر دیتی۔۔۔ ہم اتنے بڑے حادثے کا شکار کبھی نہ ہوتے۔۔۔ میرا ہاتھ کبھی فریج پر نہ ہوتا۔۔۔ جس گھر میں ہم نے بچپن گزارا، وہ تازہ کی جیب سے ہم پر حرام ہو گیا۔۔۔ کبھی آگ لگ جاتی ہے۔۔۔ کبھی

جیب ہی چیزیں ہونے لگتی ہیں۔۔۔ کبھی چوری، اور کبھی کبھی تو بڑے جاتے ہیں۔۔۔ کبھی کسی عورت کا سایہ نظر آتا ہے۔۔۔ یہ سب منحوسیت تازہ اپنے ساتھ، ساتھ لیے پھر رہی تھی۔۔۔ اسی کا تارہ یاد بخشت تھا۔۔۔ اگر وہ ہمارے ساتھ نہ جاتی، تو گھر واپسی کے بجائے ہم مری میں انجوائے کر رہے ہوتے۔۔۔ اب جب تازہ ہی نہیں

رہی۔۔۔ ساری مصیبتیں ختم ہو جائیں گی۔۔۔"

ارہانے سوچا۔ "کیا سوچ رہی ہو؟" کیہا نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "کچھ خاص نہیں۔۔۔ بس سوچ رہی ہوں۔۔۔ ایک منحوس کے کم ہو جانے سے، کیا ہمارے گھر سے وہ نحوست کے سائے ختم ہو جائیں گے؟ جو تازہ کی جیب سے ہمارے گھر پر ڈیرہ جمائے ہوئے ہیں۔۔۔"

"پتہ نہیں۔۔۔ خاموش ہو جاؤ۔۔۔ اللہ نہ کرے۔۔۔ دوبارہ ایسا کچھ بھی ہو۔۔۔ تم نے تو برے روئے کھڑے کر دیئے ہیں۔۔۔ میں تو اس نرے گل آئی تھی۔۔۔" کیہا کے چہرے پر ایک دم سے خوف کا سایہ جم گیا۔ اریہا بھی خاموش ہوئی۔ دونوں نے دوبارہ ایک دوسرے سے کوئی بھی غائب بات نہیں کی۔ فرحت بیگم خود بہت غصے میں تھی، وہ اس وقت خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

تازہ نے کھڑکی سے باہر دیکھا، سفید رنگ کی گاڑی سڑک سے گزر گئی۔ اسی گاڑی میں میساں، اور انساں بیٹھے ہوئے تھے۔ مگر تازہ کو پتہ نہ چلا۔

"او میرے خدایا۔۔۔ تمہارے پاس اپنا نمبر ہے۔۔۔ تو تم اس کے بعد مجھ سے رابطہ کیسے کرنا چاہو گی؟" بڑی اماں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"بڑی اماں۔۔۔ اب جو کہا ہے۔۔۔ اووہ

کروں گی۔۔۔ کوشش کر کے، کئی نہ کئی سے کھلو اور آپ کو کال کروں گی۔۔۔" تازہ نے سادہ انداز میں اسے بتایا۔ جیسے وہ ہر گز سے غم نہ ہو۔ "نہیں! مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔۔۔ اس طرح کرتے ہیں۔۔۔ میں تمہیں تمہارے گھر تک چھوڑ آتی ہوں۔۔۔ تمہارا گھر بھی دیکھ لوں گی۔۔۔ اور تمہیں اپنا نمبر بھی دے دوں گی۔۔۔" بڑی اماں کا دماغ بھی خوب کام کر رہا تھا۔ تازہ مسکرائے لگی۔

"ہاں! ٹھیک ہے۔۔۔ جیسا آپ بہتر سمجھیں۔۔۔" تازہ نے کہا۔ اب دوبارہ مسافر کوچ میں سوار ہو رہے تھے۔

"کچھ ہی دیر میں یہ بس روانہ ہو جائے گی۔۔۔ اور ہمارا سفر دوبارہ شروع ہو جائے گا۔۔۔" تازہ نے اس کی طرف دیکھا۔ بڑی اماں کبھری تھی۔

"بڑی اماں۔۔۔ اب تو ہماری دوستی بھی ہو گئی ہے۔۔۔ آپ کا نام کیا ہے؟" تازہ نے مسکرا کر بات ختم کر دی۔ اپنا ایک ایک بچہ بس میں رہا ہوا، اس نے گلے میں خواہ مخواہ لٹکایا ہوا تھا۔

"جس۔۔۔ لے۔۔۔ لے۔۔۔ لے۔۔۔" تازہ نے خواہ مخواہ فروش بنے کو دیکھا۔ وہ کی لوٹ کھسوٹ کا جوس بیچ رہا تھا۔ "ادھر آؤ۔۔۔" بڑی اماں نے بچے کو دیکھا۔ بچانے کے پاس آ گیا۔

"جس چاہیے؟" بچے نے پوچھا۔

"ہاں! دو جوسز دے دو۔۔۔" بڑی اماں نے بچے سے کہا۔ بچے نے خواہ مخواہ سے جلدی دو جوس کے ڈبے ان کی طرف بڑھائے۔ بڑی اماں اب اپنے پرس سے پیسے نکالنے لگی۔ وہ پیسے اس کے جوس والے کو پکڑائے۔ بچا اب پیسے بڑی اماں کو دے رہا تھا۔ "تازہ بیٹا! لے لو۔۔۔ جس بیٹا! لے لو۔۔۔" مسافر کی تھکان بہت ہوئی ہے۔۔۔ بڑی اماں نے تازہ

کی طرف جوں کا ڈبا ہوا تھا۔ نازہ نے ناچاچے ہوئے
 بھی لے لیا۔ "شکر ہے۔۔۔!!" نازہ نے کہا۔ اس نے جوں
 کا اسرار نکال کر ڈبے میں ڈالا۔ پچھلے بڑھ گیا۔ بڑی
 اماں نے اپنا ڈبا سے لگایا۔ نازہ نے پہلا گھونٹ
 بھرا۔ جلدی سے اس نے منہ سے بنالیا۔
 "اتنا بد مزہ۔۔۔!!" نازہ نے بڑی اماں کی
 طرف دیکھا۔
 "بیٹا! رزق ہے۔۔۔!! ایسا نہیں کہتے
 ہیں۔۔۔!! بس اب اس کا ذائقہ جیسا بھی ہے۔۔۔!!
 اچھا ہی ہے۔۔۔!!" بڑی اماں نے کہا۔ نازہ ایک
 لمحے کے لیے سوچ میں گم ہو گئی۔ اب وہ فرماں برداروں
 کی طرح وہی جوں پینے لگی۔ اچانک نازہ ایک خیال
 میں ڈوب گئی۔ منظر بدلنے لگا۔ نازہ جیسے وہاں ہو کر
 کہیں اور چلی گئی۔

ہیڈ فون کانوں میں ٹھونس کر گانے کے بولوں
 کے ساتھ منہ سے لیر کس نکالتی ہوئی، لیبیا نازہ کے سر
 پر پہنچ گئی تھی۔ وہ بکن میں پینے سے تیز تر حالت میں
 گھڑی کام کیے جا رہی تھی۔ نازہ کو تو ہیڈ فون کی آواز
 سنائی نہیں دے رہی تھی، مگر لیبیا کی بے سری آواز وہ
 ضرور سن رہی تھی، اس نے کوفت سے لیبیا کو دیکھا۔
 "جلدی سے اسز ابری ملک شیک ریڈی
 کر دو۔۔۔!!" لیبیا نے گانا چھوڑ کر نازہ کو دیکھا، نازہ
 نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بارہ لیبیا گانہ سناتی ہوئی باہر
 چلی گئی، اب وہ فریج سے اسز ابری نکال کر دھو رہی
 تھی۔ گرمیوں کے آدھ دن تھے۔ ان دنوں اسز ابری
 بکن سن نہیں ملتی ہے۔ بکن ہی ہیز مائل ہوتی ہے۔ نازہ
 نے کچھ دیر میں اسز ابری ملک شیک ریڈی کیا، اسے
 گلاس میں نکال کر ٹرس میں رکھا۔ اتنے میں دوبارہ
 سر پر ہیڈ فون چھانے لیبیا بکن میں آوارہ ہوئی۔ اس
 نے ملک شیک کا گلاس اٹھا کر لیوں سے لگایا۔ اور
 دوسرے لمحے میں وہ ملک شیک زور سے۔ نازہ کے

سر پر انڈیل چکی تھی۔ ملک شیک بہتا ہوا اس کے سر سے
 نیچے بہنے لگا تھا۔ نازہ جیسے سمجھ گئی تھی۔
 "اتنا بد مزہ۔۔۔!! اتنا کڑوا۔۔۔!! تم نے اس
 میں شکر ڈالا بھی ہے۔۔۔!! صرف نمک ڈال ہی
 ہے۔۔۔!! تم مجھے زچ کرنے کے لیے ایسا کرتی
 ہونا۔۔۔!! ممی کو آ لینے دو۔۔۔!! تمہاری تو میں
 درگت بنواتی ہوں۔۔۔!! یاد رکھو گی۔۔۔!! بد ذات
 لو کی۔۔۔!! خدا تم سے زمین بھر دے۔۔۔!!
 نہیں۔۔۔!! جب گام سبھی سے کر نہیں سکتی
 ہو۔۔۔!! تو کرنی ہی کیوں ہو؟" لیبیا تن کرتی ہوئی
 وہاں سے چلی گئی۔ نازہ فرش پر پھیلے ملک شیک کو
 دیکھتی رہی۔ اور تھر تھر کانپتی رہی۔ آج کے دن پھر سے
 ممانی سے مار پڑنے والی تھی۔

☆ ☆ ☆
 اچانک نازہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
 رونے لگی۔ منظر بدل گیا۔ وہ بس میں تھی۔
 "اوہ!! نازہ بیٹا!! کیوں کیا ہوا ہے؟ کیوں
 رو رہی ہو؟" بڑی اماں ایک دم سے چونک کر اسے
 دیکھنے لگی۔

"بڑی اماں۔۔۔!! آپ سہی کہتی
 ہے۔۔۔!! یہ رزق ہے۔۔۔!! اس کی بے حرمتی نہیں
 کرتے ہیں۔۔۔!! بس کچھ یاد آ گیا تھا۔۔۔!!" نازہ
 نے وہی جوں کا ڈبا دوبارہ لیوں سے لگایا، اور اسے
 گھونٹ، گھونٹ پینا شروع کر دیا۔ اب وہ مسکرا کر وہی
 جوں پی رہی تھی۔ جس کا ذائقہ کچھ دیر پہلے اسے کبھی
 کی کسی سانسے جیسا معلوم ہو رہا تھا۔

"ہاں۔۔۔!! رزق
 ہوتا ہے۔۔۔!! ہمیشہ ان لوگوں کو دیکھوں۔۔۔!! جو
 اس معمولی جوں کے ڈبے کے لیے ترستے
 ہیں۔۔۔!! ان کو انورڈ نہیں کر سکتے ہیں۔۔۔!!" بڑی
 اماں اب نازہ کے ساتھ باتیں کرنے لگیں۔

☆ ☆ ☆
 نازہ نے کچھ ہی دیر میں جوں کا ڈبا ختم کر دیا۔

بڑی اماں بھی اپنے جوں کا ڈبا ختم کر چکی تھی۔ اسے میں
 بس کے سارے مسافر واپس آ چکے تھے۔ اب بس دوبارہ
 اپنی منزل کی طرف گامزن ہو رہی تھی۔

"بڑی اماں۔۔۔!! میں نے آپ کا نام
 پوچھا تھا۔۔۔!!" نازہ نے اس کی طرف دیکھا، وہ خالی
 جوں کے اسز اسے کھیلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہائے!! بیٹا۔۔۔!! کیا
 یاد دلایا۔۔۔!! میرا نام۔۔۔!! میرا نام بھی بہت
 پیارا تھا۔۔۔!! میرے شریک سفر کو بہت پسند
 تھا۔۔۔!! وہ مجھے اکثر نوکتے رہتے تھے۔۔۔!! کہتے
 تھے۔۔۔!! تمہاری اتنی عمر تو نہیں ہے۔۔۔!! یہ لوگ
 تمہیں بڑی اماں پکارتے ہیں۔۔۔!! وہ میرا نام بڑی محبت
 سے لیتے تھے۔۔۔!! مجھے اپنے نام شہزاد سے بلایا
 کرتے تھے۔۔۔!!" بڑی اماں دور کیوں خیالوں میں
 کھوئی ہوئی لگ رہی تھی۔ نازہ بھی مسکرائے گی۔ اس
 نے بڑی اماں کو سوچوں کے بخنور سے نکالنے کی
 جرات بالکل بھی نہیں کی۔ اسے اس کے حال پر
 چھوڑ دیا۔ وہ کچھ دیر کھوئی رہی، پھر مسکرائے گی۔ بڑی
 اماں نے اس کی طرف دیکھا۔

"بڑی اماں۔۔۔!! یادیں بھی کسی اصول
 خزانے کی طرح ہوتی ہیں۔۔۔!! چاہے، اچھی ہوں
 یا بُری، جب بھی یاد آتی ہیں۔۔۔!! ایسا تو چہرے پر
 مسکان بھردیتی ہے۔۔۔!! ایسا پھر آنکھوں کو آنسو کا تھنڈ
 ضرور دے جاتی ہے۔۔۔!!" نازہ نے آخر
 میں آنکھیں بڑی کر دیں۔

"ہاں!! بیٹا جی۔۔۔!! یہ تو ہے۔۔۔!! اس
 وقت مجھے ان کی یاد آ گئی تھی۔۔۔!! تو بے ساختہ
 میں مسکرائے گی تھی۔۔۔!! واقعی، یادیں دل کے لیے
 کسی قیمتی تحفے سے کم نہیں ہوتی ہے۔"

"ویسے یہ بات بھی بالکل سچ
 ہے۔۔۔!! اگر شریک سفر اچھا ہو۔۔۔!! تو زندگی کا سفر
 بہترین کٹ جاتا ہے۔۔۔!!" نازہ نے ایک اور پتے
 کی بات کی۔

"بیٹا!! اتم بہت اچھا بولتی ہو۔۔۔!! پتہ
 نہیں، ان ناقدرے لوگوں کے ساتھ، اتم نے اتنا عرصہ
 کیسے گزار لیا ہے؟"

"بڑی اماں۔۔۔!! جب ماں باپ کا سایہ
 سر پر نہ ہو۔۔۔!! تو زندگی عجیب سی ہو جاتی ہے۔۔۔!!
 دوسروں کا گھر تو میٹھ دوسروں کا ہوتا ہے۔۔۔!! وہ لوگ تو
 گھر میں جگہ دے دیتے ہیں۔۔۔!! انڈرل میں
 نہیں۔۔۔!! ان کے تنگ نظروں کی ان کو یہ اجازت نہیں
 دیتے۔۔۔!! یہ فلاں جو ہمارے گھر میں رہ رہا ہے۔۔۔!! یہ ہمارا
 اپنا ہے۔۔۔!! وہ بس اسی حلق میں ہوتے ہیں۔۔۔!!
 کب یہ ہمارے گھر سے نکل جائے۔۔۔!! کب ہماری
 زندگی اس کے جانے کے بعد پرسکون ہو جائے۔۔۔!!
 بس میں نے اس لیے اتنا لبا عرصہ گزار لیا۔۔۔!! کیونکہ
 میں نے دیکھا، جو کچھ لیوں نے میرے ساتھ کیا۔۔۔!!
 "یہ سوچ کر رواشت کیا۔۔۔!! اپنے ہیں۔۔۔!! ایک
 دن میری خدمت، میری محبت ان کے دل میں مسم کر دے
 گی۔۔۔!! مگر نہیں ایسا نہیں ہو سکا۔۔۔!! میں اگر غیروں
 کے در پر ہوتی تو یہ نہیں وہ کون کون سی قیامت میرے
 اوپر ڈھاتے۔۔۔!! لیوں سے ڈر گئی تھی تو غیروں کے
 پاس کیسے چلی جاتی؟" نازہ نے آخر میں تاک سکوزی۔
 "ہاں۔۔۔!! بیٹا جی۔۔۔!! جتنی بھی باتیں تم
 نے کی ہیں۔۔۔!! وہ سب سہی ہیں۔۔۔!! مگر ان
 لوگوں نے تمہیں اپنے گھر پر نہیں رکھا۔۔۔!! تو میں
 تمہیں اپنے گھر لے جاؤں گی۔۔۔!!" اماں جی نے
 اس کی طرف دیکھا۔ نازہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اچھا ہاں۔۔۔!! اتنی اگلاں تو وہ لوگ ٹرپ پر
 مری گئے ہیں۔۔۔!! بس آپ مجھے ممانی کے گھر ہی
 چھوڑ دیں۔۔۔!! آپ سے وعدہ کرتی
 ہوں۔۔۔!! اگر وہ لوگ مری سے واپس آ کر مجھے دھکے
 مار کر نکال دیں۔۔۔!! تو میں سیدھا آپ کے پاس ہی
 آؤں گی۔۔۔!!" نازہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے
 طرف دیکھا۔ بڑی اماں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ
 رکھا۔ نازہ نے اس کے ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ دیا۔ اب

دونوں مسکرا رہی تھیں اور بس اپنی منزل کی طرف روانہ ہو چکی تھیں۔ راستے پیچھے وہ رہے تھے۔ منزل دوسرے درجے سے قریب آ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆
گجڑی گھر کے سامنے رک گئی، عادل یاہر نکل آئے۔ اس نے جیب سے پرس نکال کر پیسے ڈرائیور کو دیئے۔ وہ ہزاروں میں تھے۔ اب گاڑی کے پچھلے کونے کی آواز آئی۔ فرحت بیگم تندی سے اسے گھر کو دیکھنے لگی۔ گھٹ بندھا۔ شام کے اندھیرے چھن چکے تھے۔ مگر نیم اندھیرے میں ڈوبا ہوا وحشت ناک رنگ رہا تھا۔ اریبا، اریبا، اور آخر میں میمان بھی مرے مرے قدموں سے باہر نکل آئیں۔ سب کے چہرے سے ہونے لگے تھے۔ جیسے وہ کسی وحشت ناک جگہ سے واپس آئے ہوں۔ یا پھر جیسے کوئی مرکب چکا ہو۔ اور ان کو اس کے سر کے کاٹھ پتھر لٹکے ہوئے ہو۔ مگر وہ لوگ سفر کی تھکان کی وجہ سے ایسے تاؤ بھرے چہرے لیے ہوئے تھے۔ عادل نے داخلی کتنی پرانگی رکھی۔ مگر کے اندر تیل جانے لگی۔ کتنی دیر گزر گئی، کوئی بھی دوازے پر نہیں آیا۔ فرحت بیگم نے دوبارہ، گھٹنی پر ہاتھ رکھا، اور بٹانا بٹھا دیا، کچھ دیر بعد چائیک گھٹ کھل گیا۔ احسان کا کاٹھ لہاس میں برآمد ہوا۔ وہ تالاب اپنے کمرے میں اس وقت بیٹھے ہوئے آرام کرتے تھے۔ صاحب، اور ان کے بچوں کو دیکھ کر اس کے چہرے پر ہوا لیاں اڑنے لگی۔ وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ کیونکہ اریبا کے ہاتھ پر پلستر چڑھا تھا، اور میمان کا چہرہ گڑبڑا تھا، اس کی حالت بری تھی۔ فرحت بیگم کا چہرہ جو ہر وقت تازہ رہتا تھا۔ اس وقت مر جھائے گلاب کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔ اوپر سے سب جیسے کسی بھوتیاں جو حلی کے اندر جا کر، جان بچا کر بھاگ آئے ہو۔ ایسی ان کی حالت زار تھی۔

☆ ☆ ☆
اسلام بیگم صاحبہ۔ "!! احسان نے کا کا سلام کیا۔ کسی نے بھی اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ اسے راستے سے ہٹا کر سب اندر داخل ہو گئے۔

☆ ☆ ☆
"یا میرے مولا خیر فرما۔!! ان لوگوں کی حالت تو ایسی ہو رہی ہے۔!! جیسے کسی کی سے لڑکھو کر آ رہے ہو۔!! ایا پھر کسی ویران آسب زدہ مکان میں جا کر، بھوت پریت کا مقابلہ کرتے ہوں۔!! مگر ان سب کے ساتھ تو نازہ بھی گئی تھی۔!! وہ تو نظر نہیں آ رہی۔!! کہیں کوئی ایکسٹرنٹ تو نہیں ہوا۔!! احسان کا کانٹے خود سے کہا۔ اور واپس گھٹ بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆
کتنی دیر گزر چکی تھی، نازہ سوچتی تھی، بڑی اماں کے کندھے پر اس کا سر ڈھلک چکا تھا۔ بڑی اماں اس کی طرف پیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ بس کچھ ہی دیر میں اڑا آ جاتا تھا۔ بس نے رک جانا تھا۔ "کتنی پیاری بچی ہے۔!! کس قدر زود دل اور ہوشیار ہے۔!! بس اللہ کی قدرت ہے۔!! وہ بھی آزمائش میں ضرور ڈالتا ہے۔!! یہ بے چاری بھی کڑی آزمائش سے گزر رہی ہے۔!! کاش۔!! یہ واپس نہ جائے۔!! میرے پاس رہ جائے۔!! میں بھی اگلی، یہ بھی اگلی۔!! میرے ساتھ رہ کر میری پہلی بن جائے گی۔!! بڑی اماں نے سوچا۔ اور نازہ کو دیکھا۔ نازہ کو جانے کب نیند نے آگھیر لیا تھا۔ بڑی اماں کو کچھ خبر نہ ہو سکی تھی۔ وہ دونوں تو راستے بھر ایک دوسرے سے باتیں کرتی رہی تھیں۔ اور جب خاموشی چھائی، تو نازہ کچھ ہی دیر میں اچانک سو گئی۔ حالانکہ بڑی اماں نے اسے خبردار بھی کیا تھا۔ اسے بتایا بھی تھا۔ ہمارے شہر کے حد و شروع ہونے جارہی ہے۔ مگر نازہ پر پھر بھی نیند مہربان ہو گئی۔ بڑی اماں اسے کچھ دیر مٹھی نظروں سے دیکھتی رہی۔ پھر وہ شبشے سے باہر دیکھنے لگی۔ بس پھر ہی رفتار سے جاری تھی۔

☆ ☆ ☆
گھر پہنچ کر وہ لوگ تھکن سے بے حال تھے، پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ سب بھرے بیگڑ

لے کے گئے تھے۔ مگر واپسی خالی ہاتھ کرنی پڑی تھی۔ سب کے بیگڑ پر اوٹیں سی رہ گئے تھے۔ اماں کی فرحت بیگم کو اچانک بیگڑ کی یاد آئی۔ وہ دل تمام کر رہ گئی۔

"یا میرے خدایا۔!! میرا بیگم میں تو بے حد جیتی چیزیں تھیں۔!! اہائے۔!! میں اس پریشانی میں انھیں کیسے بھول گئی؟" اس نے دل کر رہے پر ہاتھ رکھا۔ عادل نے چونک کر اسے دیکھا۔ میمان بھی سرخ چہرے کے ساتھ مزید گھبرا گیا۔

"عادل۔!! جلدی سے پتہ کریں۔!! ملکیت سے بولیں۔!! ہمارے بیگڑ کی حفاظت کریں۔!! اس میں میرا سونے کا قیمتی سیٹ تھا۔!! وہی جو آپ نے مجھے دہائی سے لا کر دیا تھا۔!! اس کے علاوہ بھی میرے چھوٹے ہونے زیور تھے۔!! اریبا، اور لیہا نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان دونوں کو چندا حیرت نہیں ہوئی۔ عادل نے گھبراہٹ کے مارے اسے دیکھا۔

"عادل!! ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟ پلیر جلدی سے پتہ کریں۔!! ملکیت کو کون کریں۔!!"

"اچھا بابا سکون کی سانس تو لینے دو۔!! ابھی کر دیتا ہوں۔!! ایک تو تم لوگ، خود میرے لیے ہی، نئی مصیبتیں کھڑی کرتے رہتے ہو۔!! اب تم مری کے ٹرپ پر سونے کے زیورات کیونکر لے گئی تھی؟"

"ممی۔!! آپ کو اتنے قیمتی زیورات لے جانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟" لیہا نے غصے سے ماں کو دیکھا۔

تھی۔ مگر دوسری طرف سے کوئی اٹھائیں رہا تھا۔ "آؤ اندر چلیں۔!! تم لوگ یہاں کیوں کھڑے ہو؟ میں کمرے میں جا کر دوبارہ فون کر دیتا ہوں۔!!" عادل نے سب پر طعنانہ لگا دیا۔

"اوکے ٹھیک ہے۔!!" میمان نے کہا۔ "لیہا۔!! میرے سر میں شدید درد ہے۔!! تم جا کر میرے لیے مسواک سے کافی بنادو۔!!" میمان نے جاتے ہوئے میمن سے کہہ دیا۔

"سوری بھائی۔!! میں نے کبھی کافی نہیں بنائی ہے۔!! مجھے بتانی نہیں آتی ہے۔!!" ہاں یاد آیا۔!! ممی کو آتی ہے۔!! ممی آپ بھائی کے لیے کافی بنادیں۔!! لیہا نے کندھے اچکا کر حکم نامہ سنایا۔ اور وہاں سے چلی گئی۔ اریبا اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔ عادل اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ "اوکے!! ٹھیک ہے۔ میں کوشش کرتی ہوں۔!! مگر میمان، ایک لمبے عرصے سے، میں نے کچھ میں کام نہیں کیا ہے۔!! اس لیے مجھے کچھ پتہ نہیں ہے۔!! کوئی چیز کہاں رہی ہے؟" اس لیے اس میں کچھ وقت لگ سکتا ہے۔!! اریبا جو کافی آگے جا چکی تھی، وہ مڑ گئی، اور واپس وپس آ گئی۔

"ممی۔!! مجھے شدید بھوک لگ رہی ہے۔!! کھانے کا کیا کریں؟" فرحت بیگم چونک کر بنی کو دیکھنے لگی۔ صبح سے ان لوگوں نے کبھی کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔ اور پھر جس طرح تیزی سے حالات، نے پلٹا کھایا تھا۔ وہ اس بارے میں کچھ بھی نہیں سوچ سکی تھی۔ بس اپنے تاؤ میں آ کر، بیٹوں کی باتیں مان کر، جو اس کے جی نے، چاہا وہ کر لیا۔ نازہ کو بے یار و مددگار چھوڑ کر خوشی سے آگے بڑھ گئے۔

"کھانا آج باہر سے آرڈر کر لیں گے۔!!" فرحت بیگم نے آہستہ لہجے میں کہا۔ اریبا نے سر ہلایا، اور جانے لگی۔ فرحت بیگم نے

لا شعوری طور پر اپنے خوابوں میں دیکھتے ہیں۔ اس کا چہرہ تاریک سا پڑ گیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اپنا کام ایسا اچھورا چھوڑ کر کہیں اور چلی جائے گی۔ وہ تو ان سب سے گمن، گمن کر اپنے بدلے لینے کی ضمانت بھی تھی، مگر اب وہ سب وہاں نہیں تھے۔ بقول اس کا اپنا نظریہ تھا۔ اس لیے وہ بھی اب سب کچھ چھوڑ کر چند دن آرام و سکون سے گزارنا چاہتی تھی۔ بڑی اماں، اس کے صلیق چہرے کی طرف دیکھ کر جاری تھی، اور نیکی کا سحر رفتہ رفتہ تیزی سے گزر رہا تھا۔ راستے پیچھے چھوٹ رہے تھے۔ شہر میں رات کے وقت ٹریفک کا اثر و تاثر نہیں ہوتا ہے، اور رات کے وقت سفر بہت بہتر لگتا ہے۔

☆.....☆.....☆

کھانا باہر سے آرڈر کروا کر، اب فرحت بیگم نیپل پر سر دیکھتی تھی، ایک تو وہ باہر سے آئی تھی، بے حد تھکی ہوئی تھی، آدمی تھکاؤ تو اس حادثے نے بڑھادی تھی۔ پھر اپنے قیمتی سامان کے ناملے کا اندیشہ بھی سر اٹھانے لگا تھا۔ وہ جیسے آج ٹوٹ کر رہ گئی تھی۔ لیکن سے برتن، نکال کر وہیں کھانا نیپل پر رکھ چکی تھی، روٹیاں بھی سامنے پڑی ہوئی تھی۔ پھر بھی وہ کھانا بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ جو نازہ نیپل سجایا کرتی تھی۔ پھر بھی وہ لوگ ہزاروں خرے کر کے، اس کا دل دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ عادل بھی باہر آ کر کھانے کے نیپل پر بیٹھ گئے تھے۔ گھر میں خاموشی سی چھائی ہوئی تھی، جیسے کوئی فوجی کا ماتمی گھر ہو۔ جس سے جنازہ نکل چکا ہو۔ اور تیسرا کردار گھر والے ایک دوسرے سے بے زار غم سے مدححال ہوں۔ کچھ دیر بعد، وہ انھی اس نے کھانے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ تھکاؤ نے اس پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔ اس کی آنکھوں کے آگے سیاہ جھلنے پڑنے لگے تھے۔ وہ میاں کے کمرے کی طرف جاتی ہوئی دکھائی دی۔ دروازے کے پاس رک کر، اس نے دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اندر سے میاں کی آواز سنائی دی۔

نے کام کیا بھی، ہمیشہ اسی بد بخت نے چیزیں نکال، نکال کر آپ کو دیں۔ اس لیے میں اس کے چھوڑنے کے حق میں نہیں تھا۔ میاں نے معنی خیزی سے کہا، اور وہاں سے جانے لگا۔

”کل پہلی ہی فرحت میں نئی ملازمہ کا بندہ دست کرتی ہوں۔ اب بس۔۔۔ بہت ہو گیا یہ نازہ نام۔۔۔ اب یہ بھی مجھے طعنے دے گا۔۔۔ اب میں اپنے بچوں کے منہ سے طعنے سننے سنوں گی۔ اس نے سارا پھیلاوا دیا ہے۔ چھوڑا اور کچن سے باہر نکل گئی۔ اب وہ تیزی سے شوہر کے پاس جا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

نازہ راستے میں پھلتے اندھیرے سے خائف نہیں تھی، جتنی وہ اپنے جلد بازی میں کیے، اس فیصلے سے خائف ہو رہی تھی۔ کیونکہ اسے کسی پر اتنی جلدی یقین نہیں آتا تھا۔ مگر ایک تو بڑی اماں، نے اس سے بہت پیاری باتیں کی تھی، اور دوسری وہ خاتون اسے اچھی بھی لگتی تھی، پھر آج اس کا دل بھی اچھا گزرتا تھا۔ اس نے نہ صرف ممانی، اور اس کی بیٹیوں کو دل سے لڑا تھا۔ بلکہ موقع کے مناسبت سے ان کے ساتھ خوب بدگواہی بھی کی تھی۔ اور پھر جب ان لوگوں نے اسے بے یار و مددگار چھوڑا تو اسے وہ انجان مہربان موت بس اتنے تک چھوڑ آئی۔ بس میں سفر شروع ہوتے ہی، بڑی اماں اس پر اپنا تک سے مہربان ہوئی، اور اس نے بھی اپنی خوش قسمتی جانتے ہوئے، بڑی اماں کے ہاں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اب وہ نیکی میں بیٹھی ہوئی، ایک انجان منزل کی طرف محو سفر تھی۔ جس کے بارے میں وہ جانتی تک نہیں تھی، وہ بڑی اماں کے ساتھ، ہر گز جانا نہیں چاہتی تھی۔ مگر جو خواب اس نے دیکھا تھا۔ اس نے اسے ڈرا کر رکھ دیا تھا۔ حالانکہ وہ عموماً متقی آئی تھی، خواب ہمارے لا شعوری چیزوں کا لازمی حصہ ہوتے ہیں۔ جن چیزوں کے بارے میں ہم پریشان ہوتے ہیں، وہی ہم

”مہکاش۔۔۔ نہیں، ابھی نہیں بتا سکتا ہوں۔۔۔ ہم واپس آچکے ہیں۔۔۔ بس۔۔۔“

”میاں نے جلدی، جلدی سے کہا تھا۔ باہر کھڑی فرحت بیگم کا ہاتھ اپنی جگہ پر بالکل سنا رہا تھا۔

”یہ مہکاش کون ہو سکتی ہے؟“ فرحت بیگم نے دل ہی دل میں کہا۔

”میں تو سمجھتی تھی۔۔۔ میرا بیٹا نازہ کی وجہ سے باقی ہو رہا ہے۔۔۔ یہ تو کوئی اور پکڑ لگ رہا ہے۔۔۔“ فرحت بیگم نے سوچا۔ ایک بار پھر سے میاں کی آواز سنائی دی۔

”مہکاش۔۔۔ تم سمجھتی کیوں نہیں ہو؟ کچھ نہیں ہوا ہے۔۔۔ وہ انشیں تو میں نے ایویں دے دیا تھا۔۔۔ اہا! بس، ایک معمولی سائیکلینٹ ہوا تھا۔۔۔ ہم سب بالکل خیریت سے ہیں۔۔۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا ہے۔۔۔ میں جہیں یقین دلاتا ہوں۔۔۔ سب ٹھیک ہے۔۔۔“

”اب میاں غالباً اسے وضاحت دے رہا تھا۔ فرحت بیگم نے ہاتھ میں پکڑا ہوا موبائل سیدھا کیا۔ اور اس میں سے لوگوں کے انشیں نکال کر دیکھے۔ وہاں میاں کا انشیں بھی نظر آیا۔

”آج تو جان جاتے، جاتے چک گئی۔۔۔“

”ہمارا بہت خطرناک ایکسڈینٹ ہوا ہے۔۔۔“ فرحت بیگم نے سائینڈ ہرن سے موبائل کی اسکرین بند کی۔ اور میاں کی گفتگو سننے لگی۔

”او میرے خدا یا۔۔۔“ جہیں میری باتوں کا یقین کیوں نہیں آ رہا ہے۔۔۔ اچھا۔۔۔ میں ایک کام کرتا ہوں۔۔۔ اپنی سلفی اتار کر جہیں سینڈ کر دیتا ہوں۔۔۔“

”جب تمہیں میری بات کا یقین آ جائے گا۔۔۔“ میاں نے کہا۔ فرحت بیگم کا چہرہ مزید بڑھ گیا۔

”اب خوش۔۔۔“ سلفی اتار کر میاں نے بھجوا دی۔

”اچھا پریشان تو مت ہو۔۔۔“ میرا چہرہ ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔“ یہ معمولی سے راز کے نشان ہیں۔۔۔“

”اب میاں اس کی بات سننے لگا۔

”ہاں۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ تم جب چاہو۔۔۔“

”مگر آجائے۔۔۔“ فرحت بیگم کو بہت برا لگا۔ اس نے جلدی سے بیڈل مٹھایا مگر دروازہ اندر سے لاک تھا۔ اس نے ٹھٹھٹا شروع کر دیا۔ اندر اب خاموشی چھا گئی۔ کیونکہ اب کوئی آواز باہر نہیں آتی تھی۔ اچانک دروازہ کھل گیا۔ میاں باقی میں بیویں ماں کے سامنے کھڑا تھا۔

”مہی! آپ؟“ میاں نے سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھا۔

”میاں! آؤ۔۔۔“ کھانا کھاؤ۔۔۔ تم لوگ کروں میں جا کر بیٹیں گے ہو کر رہ جاتے ہو۔۔۔“

”فرحت بیگم نے کہا۔ اور میاں نے اثبات میں سر ہلایا۔ اب وہ تائی میں ہی باہر آیا۔ وہ اب کھانے کی نیپل کی طرف جا رہا تھا۔ فرحت بیگم کا رخ ایسا اور لیٹا کے کروں کی طرف تھا۔

☆.....☆.....☆

نیکی معروف شاپراہ پر رک گئی۔ یہاں شہر میں زیادہ تر برائی آبادیاں تھیں۔ نیچے دو تین عمارتی تھیں۔ اور لوگوں کی رہائش گاہیں تھیں۔ رات کا اندھیرا چھا چکا تھا۔ ہر طرف بازار میں روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ نیچے لوگ سودا سلفی اور بازار میں منگرت کر رہے تھے۔ بڑی اماں نے نیکی کا دروازہ کھولا۔ نازہ نے بھی دوسری طرف کا دروازہ کھول دیا۔ اب وہ باہر آ گئی۔ اس نے اوپر دیکھا۔ وہاں کافی گھر نظر آئے۔ ایک پورا جہان آباد نظر آ رہا تھا۔

”بڑی اماں۔۔۔“ آپ یہاں رہتی ہے؟“

نازہ نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ بڑی اماں نے سر اثبات میں ہلایا۔ نازہ نے اس کا بیک نکال دیا۔ بڑی اماں نے نیکی کا کر لیا۔ اور اب وہ آگے بڑھنے لگی۔ نازہ اس کے پیچھے جانے لگی۔ وہ جس بڑے

کمرے میں رہتی تھی وہاں ایسا بے شکم، شور شرابہ بالکل بھی نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ وہاں کے مکین زیادہ پر جوش ہو کر اس سے زیادہ شور شرابہ مچا دیتے تھے، وہ بھی صرف اور صرف اس کی خاموش ذات کو مزید ستانے کے لیے اور ایسی ایسی باتیں کر جاتے تھے، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ بڑی اماں چلتی ہوئی، ایک تنگ و تاریک سی گلی میں مڑ گئی۔ اب وہ گلی سے نکل کر سیدھا چلتی ہوئی، بے شمار دکانوں کے درمیان جانے لگی۔ نازہ اسی کے ساتھ چل رہی تھی وہاں کے لوگ، بہت مصروف نظر آ رہے تھے۔ وہاں کپڑے، لٹے کی دکانیں دونوں طرف نظر آ رہی تھیں۔ دکاندار رنگ، رنگ کی بولیاں بول کر بچوں کو متوجہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اچانک وہ ایک چھوٹی سی مارکیٹ کے سامنے بنی میز جیوں کے اوپر چڑھنے لگی۔ نازہ بھی اسی کے پیچھے چل پڑی وہاں دکانداروں نے بڑی اماں کو زور سے سلام کیا۔ جس کا جواب بڑی اماں نے سر ہلا کر دیا۔ اب وہ آگے میز جیوں پر اوپر جانے لگی۔ نازہ بھی چلتی ہوئی اوپر آئی۔ اوپر پہنچ کر ایک بڑے دروازے نے ان کا استقبال کیا۔ بڑی اماں نے چابی پرس سے نکال کر تالے میں گھمائی، اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ نازہ بھی اندر چلی گئی۔

”یہ رہا میرا گھر۔۔۔ اب ہم گھر پہنچ چکے ہیں۔۔۔“ بڑی اماں نے ایک دم سے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ ایک چھوٹا سا پانچ مرلے کا گھر تھا۔ جس کے نیچے پانچ کدوئیں بنی ہوئی تھیں۔ اوپر اچھا پیارا انفاست کا نمونہ گھر دکھائی دے رہا تھا۔ نازہ نے ہر طرف سے دیکھ کر گھر دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ بہت پیارا گھر تھا۔ ضرورت زندگی کا کافی سارا سامان موجود تھا۔

”رک کیوں گئی ہو؟ آؤ۔۔۔ اسے اپنا ہی گھر سمجھو۔۔۔“ آج سے تم یہاں رہو گی۔۔۔“ بڑی اماں نے نازہ کی طرف دیکھا، وہ اب بھی چہرے پر نرم تاثر سمجھاتے ہوئے اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”بڑی اماں! بہت بہت شکریہ۔۔۔“

سمجھ نہیں آ رہی ہے۔۔۔ میں آپ کا شکریہ کیے ادا کر پاؤں گی؟“ نازہ بڑی اماں کے پاس آ کر کہہ رہی تھی۔

”بیٹا! شکریہ اپنوں کا تھوڑی ادا کیا جاتا ہے۔۔۔ بس تم میرا خیال رکھنا، میں تمہارا رکھ لوں گی۔۔۔ میں تمہیں یہاں، شکریہ ادا کرنے کے لیے تھوڑی لائی ہوں۔۔۔“ بڑی اماں نے نازہ سے ہنسنے لگے۔

”اگر یہ بات ہے۔۔۔ تب مجھے کچن کا راستہ دکھائیے گا۔۔۔ کیونکہ میں جانتی ہوں۔۔۔ ہم دونوں کو زور دونوں کی بھوک لگی ہوئی ہے۔۔۔ ہم ل کر کھانا کھا سکتے۔۔۔ پھر ڈھیر ساری باتیں ہوں گی۔۔۔ میں آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔۔۔ جو آپ چاہیں گی، وہی کروں گی۔۔۔“ ایک دم سے نازہ نے بڑی اماں کے گلے میں دونوں ہاتھ ہار کی صورت میں گھمائے۔ بڑی اماں مسکرانے لگی۔

”نہیں بیٹا! آج رات تو میں تمہیں کوئی کام کرنے نہیں دوں گی۔۔۔ میں آج کھانا بازار سے منگوا دوں گی۔۔۔ یہاں نیچے میری جو پانچ دکانیں کرائے پر چڑھی ہیں۔۔۔ وہاں ایک دکاندار کا شاگرد ہے۔۔۔ جس کو سب چھوٹو چھوٹو بلاتے ہیں۔۔۔ وہی میری ایک پکار پر بھاگ، بھاگ کر سارا کام کرتا ہے۔۔۔ ابھی میں یہ انٹر کام کی گھنٹی بجاؤں گی۔۔۔ نیچے سے وہ فوراً دوڑتا ہوا آئے گا۔۔۔ جو کہوں گی۔۔۔ فوراً بھاگتا ہوا بجائے گا۔۔۔ کتے کے جیر جائے گا، بلی کے جیر آجائے گا۔۔۔“ بڑی اماں نے اس کے ہاتھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر پیار سے سمجھایا۔

”نہیں! بڑی اماں۔۔۔ مجھے کبھی بھی بازار کے کھانے پسند نہیں رہے۔۔۔ پتہ ہے، مسالوں کے نام پر ان میں کیا کیا الم ظلم ڈال دیتے ہیں۔۔۔ میں تو کسی چھوٹو نمونہ کو بازار سے سودا سلف سمجھوانے والی نہیں ہوں۔۔۔ آج سے آپ میرے ہاتھ کے کپے پکوان

کھائے گی۔۔۔“ نازہ نے دونوں آنکھیں بند کر کے نفی میں زور، زور سے گردن ہلائی۔ بڑی اماں نے مسکرا کر اسے دیکھا، پھر کچھ دیر بعد اثبات میں سر ہلایا۔ اب وہ اس سے جدا ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆
سب لوگ کھانے کے ٹیبل پر موجود تھے، کھانا چبے اس وقت بھی دباؤ میں ڈال کر کھایا جا رہا تھا۔ کیونکہ ٹیبل کے گرد، پانچ افراد میں، جیسے خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ٹیبل پر بہت سارے انواع و اقسام قسم کے کھانے موجود تھے۔ مگر سب کے ہونٹوں پر گہری خاموشی کا قفل تھا۔ میاں ابھی تک ناک پیسنے ہوئے تھا۔ فرحت بیگم کا چہرہ اسی طرح تاریک تھا، اور دونوں لڑکیاں، جیسے کسی خیال میں ڈوبی ہوئی تھیں اور عادل تو جیسے سکتے میں چلے گئے تھے، بظاہر وہ لوگ کھانا کھانے کی کوشش کر رہے تھے، مگر وہ بہت، آہستہ سے لقمے لے رہے تھے۔ ٹیبل کے ارد گرد بیٹھے ہوئے، لوگ ایک دوسرے کو نظر انداز کر رہے تھے، فرحت بیگم جو چچ چاچوں سے بھر کر منہ کی طرف لے جا رہی تھی۔ اچانک وہ چونک اٹھی، بھر اہوا چالوں کا چچ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ چچ فرش سے ٹکرا کر آواز پیدا کر گیا۔ سب نے ایک دم سے، فرحت بیگم کو دیکھا۔ عادل بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے؟“ عادل نے فرحت بیگم کی طرف دیکھا۔ فرحت بیگم نے نفی میں گردن ہلائی۔

”مہی! آپ ٹھیک تو ہے نا۔۔۔“ یہ اریہا کی آواز تھی، جس کا ایک ہاتھ پوراپلستر میں تھا۔ خالی، خالی نظروں سے فرحت بیگم نے بنی کو دیکھا۔ ”عادل۔۔۔ کیا میرے بیگ کا پتہ چلا۔۔۔ مجھے ابھی بھی ہول اٹھ رہے ہیں؟ کہیں وہ کم نہ ہو گیا ہو؟“

”ہاں! میں نے اسے آفس کا ایک لاکا، سامان کے پیچھے سمجھوا دیا ہے۔۔۔ تمہیں زیادہ ٹینس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ تمہیں پتہ ہے۔۔۔“

تمہارے اس سیٹ سے ہماری گاڑی زیادہ قیمتی ہے۔۔۔ ہم اس گاڑی کو وہیں چھوڑ آتے ہیں۔۔۔“ فرحت بیگم کو ابھی تک اپنی جیلری کی فکر تھی۔ عادل نے اسے سمجھانے کے لیے زرا سخت انداز اختیار کیا۔

”ہاں! مہی۔۔۔“ ملنے آپ کھانا کھائیں، دیکھیں، ایک دن میں آپ کی حالت کس قدر بہتر ہوئی ہے۔۔۔ جیسے صدیوں کی تاریک رہی ہیں۔۔۔“ لیہانے ماں کے چہرے کو دیکھ کر کہا۔ وہ نفی میں گردن ہلائے جاری تھی۔

”ہاں! ٹھیک مل جائے گا۔۔۔“ انہارے بیڑ بھی اسی گاڑی میں رہ گئے ہیں۔۔۔ مگر میں کوئی فکر نہیں ہے۔۔۔ ایسے بھی، مہی۔۔۔ میں آپ کو نیا۔ گولڈنٹ دلا دوں گا۔۔۔ پلیز بس میٹشن چھوڑ دیں۔۔۔“ میاں نے اٹھ کر ماں کے پیچھے کمرے ہو کر کہا۔ اب وہ جھک کر وہی گرا ہوا چچ اٹھا رہا تھا۔ فرحت بیگم نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور دوبارہ کھانے لگی۔ مگر وہ بھی بے دلی سے، اس کا دل کسی بھی چیز کو کھانے سے انکاری تھا۔ وہ پھر بھی بے دلی سے کھانے کی کوشش کرنے لگی، میاں اپنی جگہ پر واپس جا کر بیٹھ گیا۔ اریہا، لیہانے آرام سے کھانا شروع کر دیا۔ اب کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ اور ایک بار پھر سے خاموشی چھا گئی تھی۔

☆ ☆ ☆
”زندگی کا دوسرا نام امتحان ہے۔۔۔“ بڑی اماں نے نازہ کے پیچھے کچن میں آ کر کہا۔ ”اور یہ امتحان، قیامت انگیز کیوں ہوتا ہے؟“ نازہ نے چاچوں کے اوپر ڈھکن رکھا، اب وہ دم پر رکھا ہوا تھا۔ اس نے مڑ کر بڑی اماں کو دیکھا۔ ”کیوں کہ جس زندگی میں، آزمائش نہ نہ ہو گیا ہو؟“

”ہو۔۔۔“ وہ بکا رہا ہوا ہے۔۔۔“ بڑی اماں نے اسے لاجواب کرنے کی کوشش کی۔ ”مگر بڑی اماں، وہ کیسے؟ ضروری تو نہیں، ہر

انسان کو امتحان دے کر پاس ٹیبل ہو جائے۔۔۔!! کچھ لوگ تو بیٹنگ کر کے بھی پاس ہو جاتے ہیں۔۔۔!!
نازہ نے دل کی بات لبوں سے ادا کر دی۔ بڑی اماں مسکرائے گی۔

”وہ ایسے جو لوگ بیٹنگ کرتے ہیں وہ یہاں تو پاس ضرور ہو جاتے ہیں مگر اصل امتحان میں بالکل ناکام رہ جاتے ہیں۔ یہاں جو لوگ آزمائش کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں وہی اصل امتحان دیتے ہیں۔۔۔! اسی کامیاب ٹھہرتے ہیں۔۔۔! چاہے وہ یہاں ناکام رہ جائے مگر وہاں کامیاب ہوں گے۔۔۔!“

”سناؤ کیسے؟ کیا جو لوگ یہاں کامیاب ہو جائیں وہ تو دوسروں کی مدد کرتے ہیں اور لوگ پھر مدد کرتے والے کو بہت ساری دعاؤں بھی دیتے ہیں۔ کیا پتہ اللہ کسی کی دعا قبول کرے، اس کی بھی مغفرت نصیب فرما دے۔۔۔!“ نازہ کو کچھ نہیں آئی۔

”ہاں۔۔۔! بس میں یہ کہہ رہی ہوں۔۔۔! یہاں دنیا انسانوں سے بھری پڑی ہے۔۔۔!“

”اور یہاں انسان اس دنیا کو بسائے ہوئے ہیں مگر کچھ لوگ جلد بازی کر کے شادی کر لیتے ہیں۔۔۔! شادی کے بعد ان کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے۔۔۔! وہ چیتاتے ہیں۔۔۔! شادی میں جلد بازی کیوں کی؟ وہ اپنے شریک حیات کو

چھوڑ کر دوسرے انسان کا ہاتھ تھام لیں تو بھی وہ بیٹنگ جیسے لخت سے خود کو بچا لیتے ہیں۔ مگر اپنے اس بے گناہ پارنر کو آزمائش میں ڈال کر اپنا دامن بچا لینا

کامیابی تو نہیں ہوتی۔۔۔! کیا پتہ! اسی پارنر نے اسی ساری زندگی بدو دعا میں دی ہوں اور وہ بدو دعا کی کا پیچھا آخر تک کرتی ہوئی چلی جا رہی ہو۔ مگر جو لوگ

شادی کر لیتے ہیں اور پھر انہیں شادی کے بعد کسی دوسرے انسان سے محبت ہو جاتی ہے اور وہ اپنے پارنر کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتے اور دوسرے کے ساتھ بھی ایک ناپائیدار رشتہ قائم کر لیتے ہیں۔ وہ لوگ یہاں

بیٹنگ کر کے اپنے پارنر کو دھوکا تو دے دیتے ہیں مگر آخرت میں وہ اس کا حساب دیں گے۔۔۔! اور اگر دنیا کی نظر میں آجائیں دنیا والے خود لاکھ برس سہی مگر اس کی زندگی اجیرن کر دیں گے۔۔۔! بڑی اماں نے آنکھیں چھوٹی کر کے پرسوج انداز میں کہا۔

”بڑی اماں!! مجھے تو اس چیز کی بالکل بھی سمجھ نہیں آئی۔۔۔! کامیابی اور ناکامی کا انحصار کیا انسان کے اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے؟ میرے خیال میں تو اللہ تعالیٰ کسی ذات اور اپنی محنت پر چھوڑ دینی چاہیے۔۔۔!“ نازہ نے نفی میں گردن ہلائی۔ وہ فارمولا جو بڑی اماں نے اس کو سمجھایا وہ اس کے سر پر سے گزر گیا۔

”اچھا!! میں اپنی بیٹی کو آسان الفاظ میں سمجھا دیتی ہوں۔۔۔! تم جانتی ہو۔۔۔! تم ایک انسان ہو۔۔۔! تم تم ہو۔۔۔! تم اپنے ماموں کے گھر میں پٹی بڑھی ہو۔۔۔! وہاں تم نے ان کا ہر طرح سے خیال رکھا مگر وہ لوگ تمہارے لیے کسی آزمائش سے ہرگز کم نہ تھے۔۔۔! ہر روز تمہارے لیے سبلے

نے گزرتا دن برا جا رہا تھا۔۔۔! تمہاری آزمائش تھی۔۔۔! تم امتحان دیتی رہی، وہ لوگ لیتے رہے۔۔۔! وہ بھول گئے، اگر تم کسی دن بغاوت پر اتر آئی، تو سب کچھ ختم ہو سکتا ہے، کیونکہ تم آزمائش پر اگر

پوری نشارتی، تو سب کچھ تمہیں نہیں ہو جاتا، تم نے جب تک سہا امتحان دیا۔۔۔! تم اپنی آزمائش خود کشی کر کے بھی ختم کر سکتی تھی۔ مگر اگر تم ایسا کرتی، تو تم یہاں

تو ناکام ہو جاتی، وہاں بھی ناکام رہتی۔۔۔! آزمائش سے جان چھڑانے کا مقصد خود سوزی کرنا نہیں ہے، آزمائش امتحان ہے، امتحان دینا پڑتا ہے۔ نتیجہ

دیکھنے کے لیے انتظار کرنا پڑتا ہے۔ مگر اس کے علاوہ بھی ہزاروں طریقے ہوتے ہیں، جیسے کہ تم وہاں سے بھاگ بھی سکتی تھی۔ تم ان کے ساتھ چالاکی، مکاری، دھوکے بازی بھی کر سکتی تھی۔۔۔! تم ان کے مقابل آکر ان کو نقصان بھی پہنچا سکتی تھی۔ ان میں سے کسی کا قبل بھی

کر سکتی تھی۔۔۔! اور بد بانی، بدگامی کر کے، ان کے دلوں میں اپنے لیے نفرت بھی بھرسکتی تھی۔۔۔! دنیا میں جتنا صرف تم دوسروں سے ٹک نہیں ہوتے۔۔۔! یہ دنیا بہت بڑی ہے۔ کروڑوں لوگوں سے بھری پڑی ہیں، مگر اچھے لوگ، آئے، میں تمک کے برابر ہیں۔۔۔! لوگ لوگوں کے امتحانات لیتے ہیں، ان کے لیے آزمائشیں پیدا کرتے ہیں، ان کو امتحان میں ڈال کر خود کو نعوذ باللہ خدا سمجھتے ہیں۔۔۔! آپ کیا نہیں دیکھتی ہیں؟ دنیا میں فلاں نے

فلاں کو مارا، اس نے خود کشی کی؟ اس نے قتل کیا، اس نے چوری کی، اس نے زنا کیا، اس نے بچے کے ساتھ زیادتی کی، اس نے لڑکی اغوا کی، اس نے بچوں کو ہر دیا، اس نے کیا کیا، اس نے وہ کیا۔ ہزاروں کیسز ہیں۔ کس کس کا حوالہ دوں؟ عورت نے آشنا کے ساتھ

مل کر شوہر کو مارا، اور دونوں فرار ہو گئے۔ پتا! یہ لوگ نہیں سمجھتے ہیں، وہ سب آزمائش میں مبتلا ہو کر، امتحان دیتے ہیں، ہر زندگی یہاں ایک بہت بڑی قیامت خیز

آزمائش سے جڑی ہوئی ہے۔ کیونکہ تم اگر میری بات پر یقین نہیں کرتی ہو تو اس بات پر تو تمہیں یقین ہوگا، اللہ نے جنت بھی بنائی ہے، جہنم بھی، اب یہ ہم پر ہے، ہم کس کا انتخاب کرتے ہیں؟ کس طرف جاتے ہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں، ہمیں محبت پر یقین ہے۔ مگر

جنت جہنم پر نہیں، کیونکہ محبت میں سب جائز ہے۔ اگر ان کو جنت جہنم پر یقین نہیں ہے، تو پھر مرکر ان کو یقین آ جانا چاہیے، کیونکہ پھر تو موت سے بھی ہر آدمی غافل ہے۔ موت بھی تو ہے، جو بظاہر دن بہ دن

ہماری قریب آ رہی ہے مگر ہمیں نظر نہیں آ رہی ہے۔ تو اب تم بتاؤ، کیا تم آزمائش میں نہیں ہو؟ امتحان نہیں دے رہی تھی؟ کیا یہاں جو تم میرے پاس کھڑی ہو؟ میں

آزمائش میں نہیں ہو؟ کیا میں امتحان نہیں دے رہی ہو؟ کیوں نہیں، کیونکہ اختیار اللہ نے ہمارے ہاتھ میں رکھا ہے۔ سو ہم اللہ کو اس کا زمرہ دار نہیں ٹھہرا سکتے ہیں۔ جیسے بڑی اماں اسے سمجھا رہی تھی۔ وہ ایک

ٹک بڑی اماں کو دیکھ جا رہی تھی۔ وہ جیسے بے نشان ہو رہی تھی۔ اس کا چہرہ عجیب سا تھا۔ وہ سوجھی گئی نہیں سکتی تھی۔ بڑی اماں اس کو وہ دیکھنا چاہتی تھیں، جو وہ دیکھنا ہی نہیں چاہتی تھیں۔ وہ کتنے کات تک چپ رہی، جب بولی تو بڑی اماں مسکرائی۔

”بڑی اماں۔۔۔! چاہے وہ لوگ میری آزمائش لیتے رہے، اور میں امتحانات دیتی رہتی، کچھ نہ کرتی، چاہے امتحان دے دے کر مر جاتی۔۔۔!“ کیونکہ میں نے سنا ہے، ہر امتحان کے بعد نتیجہ ہوتا ہے۔۔۔! اور وہ لوگ تو نتیجے میں مجھے مرا ہوا

دیکھنا چاہتے تھے۔۔۔! میرے امتحان کو وہ لوگ، کسی کیسائی عمل کا ذریعہ سمجھتے تھے۔۔۔!“ نازہ کی بڑی، بڑی آنکھوں میں موتی چمکنے لگے۔ بڑی اماں نے اسے دیکھا۔ پھر کچھ لمحات بعد گویاں ہوئی۔

”بیٹا!! تمہیں میں کب سے کھڑا نہیں کر رہی ہوں۔۔۔! صرف سمجھا رہی ہوں۔۔۔! کیونکہ یہاں میں بھی ایک آزمائش ہوں۔۔۔! اپنی سگی اولاد کے لیے، جن کو میں نے جنم دیا۔۔۔! جنہیں میں نے

بالا پوسا، بڑا کیا۔۔۔! پھر بھی وہ میری آزمائش بن گئے ہیں۔۔۔! میری بیٹی چاہتی ہے۔۔۔! میں یہ مکان، یہ دکانیں اس کے نام کر کے خوش خوشی یہاں سے کہیں دفع ہو جاؤں۔۔۔! مینا چاہتا ہے۔۔۔! یہ

سب سچ باقی کر، اس کے پاس کچھ بھی چلی جاؤں۔۔۔! پیسے اسے دوں۔۔۔! وہ پیسے ڈالرز میں کنورت کر کے اپنے بزنس کو وسیع کرے۔۔۔! بیٹا

یہاں ہم سب ایک دوسرے کے لیے آزمائش ہیں۔۔۔! مجھے پتہ ہے۔۔۔! وہ اس پر بھی یقین نہیں کرے گا۔۔۔! وہاں مجھے گھروں ملازم بنانا چاہئے گا۔۔۔! بڑی اماں نے اسے قریب کیا۔ وہ ایک دم

سے رونے لگی۔ ”بڑی اماں، جو لوگ، لوگوں کے ساتھ برا کرتے ہیں۔۔۔! کیا وہ انتقام نہیں لے سکتے ہیں؟ سب کچھ کیا اب پر چھوڑ دینا چاہیے؟ کیا اپنے

ہاتھ میں کچھ نہیں رکھنا چاہیے؟" ہمارو اس کے سینے سے
 ٹک کر پوچھنے لگی۔ بڑی امان سوج میں پڑ گئی، "ہمارو
 نے کیسا سہا ہل کر دیا تھا۔" "جی، اب کوئی اس کے

اوپر چھینے لگی۔ ایک تو سخت سردی تھی۔ مائزہ اس کے پاؤں جو ٹھنڈے پانی کے کنی چھینے اپنے اوپر گرا ہوا تھی۔ اس نے بائپ گرا کر مہمانی کو دیکھا۔ وہ سونیر مہمانوں کی طرح تھی، اور درستانے پہنے ہوئے تھی۔

وہم۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔!!

!! یہاں۔۔۔!! نامزدہ میرے ساتھ ہو گئی۔ وہ سمجھ گئی۔ لیکن اے جان! جو کہہ کر کہنے سے باہر بھیجا اور خداؤں کا بنایا ہوا متحضر اثر الیا۔ وہاں کوئی ڈوٹا نہیں ہدف۔ یہ ایک دم سے اس پر پل پڑی۔

انسان نے اسے اس بار سمجھا جاہل وہ مائیکرو کے دل کا حال جان چکی تھی اور پھر نہیں ملے یہ ہوتا ہے کسی کا جس دل کا حال جان لینے کے بعد اس کے ساتھ کسی بھی قسم کی بات مبادی نہیں کرنا چاہیے۔

PARHLO PAKISTAN

اب آپ ہر قسم کے ناول ہماری ویب سائٹ
سے مفت حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہماری ویب سائٹ ناولز راہٹرز کے لئے آفر
بھی دیتی ہے۔ اگر آپ لکھنے کے شائق ہیں تو ہم سے رابطہ
کریں۔ آپ کے ناولز کے علاوہ ناول کے بہترین ہونے
پر آپ کو کیش پرائز بھی دیں گے

ابھی اپنا ناول EMAIL کریں اور اپنے لکھاری ہونے کا فائدہ اٹھائیں۔

WHATSAPP GROUP : 0318-9992829

PARHLO.COM.PK@GMAIL.COM